فہرست مضامین

ماہنامہ **الحق** اکوڑہ خٹک

جلد شانزدہم (۱۶)

محرم الحرام ۱۴۰۱ تا ذی الحجہ ۱۴۰۱ — اکتوبر ۱۹۸۰ء تا ستمبر ۱۹۸۱ء

سولویں جلد کے مضامین کی یہ فہرست موضوعات کے لحاظ سے ان سلسلہ وار صفحات کے حوالہ سے دی گئی ہے جو ہر صفحہ کے نیچے لکھے ہوئے ہیں البتہ شمارہ نمبر ۱ کے صفحات جو غلطی سے ۸۲۷ تا ۸۰۸ لکھے گئے ہیں ان کو درست کرکے ۵۲۷ تا ۵۰۸ کر دیا جائے۔ یہ فہرست جلد کے آغاز میں لگوا لیجئے۔ (سمیع الحق)

نقش آغاز (اداریہ) سمیع الحق

دعوات عبدیت حق ۔ شیخ الحدیث مولانا عبدالحق

قرآنیات

مذہب ۔ حقانیت و صداقت اسلام

عروج و زوال

اسلام اور مغربی دنیا ۔ مستشرقین

علم و عمل، نصاب و نظام تعلیم، تعلیمی ادارے، مدارس عربیہ

اسلامی نظامِ حکومت، فقہ اسلامی، آئین و قانون

بحث و تحقیق (حدود و تعزیرات معاشیات وغیرہ)

تصوف و سلوک

ادبیات ۔ لسانیات

مکتوبات اکابر ۔ تبرکات

احوال و کوائف دارالعلوم

کتابیات ۔ تعارف و تبصرۂ کتب

عالمِ اسلام ، تاریخ ، سیر و سیاحت

شخصیات - سوانح

متفرقات - افکار و اخبار

اے۔بی۔سی (آڈٹ بیورو آف سرکولیشن) کی مصدقہ اشاعت

لہٗ دعوۃ الحق

قرآن وسنت کی تعلیمات کا علمبردار

ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک

فون نمبر دارالعلوم - ۴ | فون نمبر رہائش - ۲

جلد نمبر : ۱۶ | ذی الحجہ ۱۴۰۱ھ

شمارہ نمبر : ۱۲ | ستمبر ۱۹۸۱ء

مدیر : سمیع الحق

اس شمارے میں

بدل اشتراک پاکستان میں سالانہ /۲۵ روپے فی پرچہ /۲.۵ روپے بیرون ملک بحری ڈاک ۳ پونڈ ہوائی ڈاک ۵ پونڈ

سمیع الحق استاد دارالعلوم حقانیہ نے منظور عام پریس پشاور سے چھپواکر دفتر الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقشِ آغاز

جہادِ افغانستان کا سرچشمہ

"خدا شہیدوں کی خواہشوں کو زیادہ دیر تک تشنۂ تکمیل نہیں رکھتا مجھے ایسا لگتا ہے کہ حضرت حاجی صاحب ترنگ زئی کی عظیم قیادت میں جو خون اللہ کے حضور پیش ہوا، اسکی گرمی اب محسوس ہونے لگی ہے۔ جو آواز چمرکنڈ (حضرت سید احمد شہیدؒ کے مجاہدین کا مرکز) سے اٹھی اسکی گونج آج سمرقند میں سنائی دے رہی ہے۔ اباسین (جس کے آس پاس مجاہدین سید احمد شہید کے بسیرے تھے۔) کی لہریں شہداء کے جس خون کو بہا کر لے گئی تھیں، وہی خون گھوم پھر کر دریائے آمو (جو افغانستان اور روس کو الگ کرتا ہے۔) تک پہنچ گیا ہے۔ مصنف نے صفحہ ۱۵۴ پر ایک (انگریز گورنمنٹ کے) سرکاری نوٹ کا حوالہ دیا ہے جس میں شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ کے متعلق یہ کہا گیا ہے کہ:

"وہ بوڑھے حاجی ترنگ زئی کو جھنجھوڑتا ہے کہ وہ ایسی دیا سلائی روشن کریں جس سے سارا سرحد شعلہ زار بن جائے۔"

اس نوٹ کے لکھنے والے (انگریز سی آئی ڈی) کو یہ دیکھنا نصیب نہ ہو سکا کہ سرحد تو آزادی کا لالہ زار بن گیا ہے۔ لیکن یہ دیا سلائی اب بھی (جہادِ افغانستان کی شکل میں) روشن ہے اور اسکی تپش وسطی ایشیا کی وادیوں اور میدانوں تک محسوس کی جارہی ہے۔ جو ترانے حاجی صاحب کے آزاد مدرسوں میں سنے جاتے تھے، آج وہی ترانے افغان مہاجرین کی خیمہ بستیوں کے سکولوں اور مکتبوں میں سنے جاتے ہیں۔ شہداء بالاکوٹ اور شاہ ولی اللہ نے جو پیغام دیا تھا اس کا زمزم آج بھی مجاہدینِ افغانستان کے کانوں میں گونج رہا ہے۔ غرض یہ کہ امام شاملؒ ہو یا ابدالیؒ یا حاجی صاحب ترنگ زئیؒ منزل ایک ہے۔ مقاصد ایک ہیں۔ پانی پت۔ سومنات۔ بالاکوٹ۔ چمرکنڈ۔ بلقان۔ طرابلس۔ یروشلم۔ پنج شیر اور پھر بدر و حنین ایک ہی سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔"

مذکورہ بالا اقتباس اور حقیقت کا ایسا واضح اعتراف کسی عالم، مورخ یا کسی غالی معتقد کے کلام سے نہیں بلکہ صوبہ سرحد کے اس وقت کے سب سے بڑے سربراہ جو خود ایک فوجی جرنیل ہیں کے اس طویل خطبہ سے ہے جو انہوں نے ۲۷ ستمبر ۱۹۸۱ء ۵ بجے شام حضرت حاجی صاحب ترنگ زئی سے متعلق ایک کتاب (مصنفہ جناب عزیز جاوید) کی تقریب رونمائی میں کہے۔ جناب لفٹیننٹ جنرل فضل حق گورنر سرحد نے موجودہ جہاد

افغانستان کی کڑیاں حضرت حاجی صاحب ترنگ زئی کی سرفروشانہ مجاہدانہ سرگرمیوں سے ملاکر ایک ایسی حقیقت کی طرف ہماری توجہ مبذول کرائی جو معاندین کے تعصب وعناد اور دجل وتلبیس کی ہزار کوششوں کے باوجود بھی آفتاب نصف النہار کی طرح روشن اور عیاں ہے۔ اور اسی اقتباس میں دیئے گئے انگریز کے اعترافی حوالہ سے اس جہاد وحمیت اسلامی کے اصل سرچشمہ پر بھی روشنی پڑجاتی ہے۔ جو حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن اسیر مالٹا کی شکل میں پورے عالم اسلام بالخصوص شمال مغربی سرحدی علاقوں کے لئے مینار نور بنی ہوئی تھی۔ وہ جہاد حریت کا ایک ایسا پاور ہاؤس تھا جس کی برقی لہریں اب بھی رواں دواں ہیں۔ اس چراغ سے حضرت حاجی صاحب بھی روشن ہوئے اور غازی انور پاشا بھی اور یہی وہ چراغ تھا جو حضرت شاہ ولی اللہ اور امام المجاہدین حضرۃ سید احمد شہیدؒ کے مشکوٰۃ ایمان وعزیمت سے منور ہوکر ان کے مقام عزیمت وجہاد کا وارث وامین بنا۔ سید احمد شہیدؒ کی تمنائیں اور حضرت شیخ الہندؒ کے خواب آج اس عظیم جہاد کی شکل میں شرمندۂ تعبیر ہو رہے ہیں جو دنیا کی سب سے بڑی سامراجی قوت روس کے ساتھ جاری ہے۔ اور آج بھی جس کی باگ ڈور اسی شیخ الہند مرحوم کے تلامذہ اور تلامذہ کے تلامذہ کے ہاتھ میں ہے۔ حضرت سید احمد شہیدؒ نے جنگ اکوڑہ کی رات جس گلشن محمدی کو اپنے جان نثاروں کے خون سے پانی دیا وہی سرزمین آج لہلہا اٹھی ہے۔ اور اپنے حقانی فرزندوں کے ذریعہ ملت کی سوکھی کھیتوں کی آبیاری کر رہی ہے۔

مجاہدین چمرکنڈ کا خون رائیگاں نہیں گیا۔ مالٹا کے خلوت کدہ کو جس چراغ نے روشن کیا اسکی لو سے کوہ ہندوکش کی چٹانیں پگھل رہی ہیں۔ اور اسکی ضوفشانیوں سے کابل وغزنی اور بلخ وہرات کے میدان جگمگا اٹھے ہیں۔ اور انشاءاللہ "ریشمی رومال" کی فولادی ڈوریاں ماسکو اور لینن گراڈ کے شہ رگ کا پھندا بنتی جارہی ہیں۔ شاملی اور تھانہ بھون کے میدانوں میں بلند کئے گئے تکبیر وجہاد کے نعرے دریائے آمو کے اس پار سنائی دینے لگے ہیں۔

الغرض ان بے سروسامان بوریانشین فقیروں کی سحر کاریوں کا کیا کہنا؟ جن کی قربانیاں صدی ڈیڑھ صدی گذرنے کے بعد بھی زندہ وتابندہ ہیں۔ اور جس کی روشنی میں بخارا وسمرقند تاشقند وخیوا کی گم شدہ عظمت وسطوت کی بازیابی ہو رہی ہے۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاء ولکن لا تشعرون۔

دنیائے علم وفضل پچھلے دنوں دو قیمتی شخصیتوں سے محروم ہوگئی حضرت مولانا خیر محمد صاحب مرحوم بانی خیر المدارس ملتان کے قابل وصالح فرزند اور مدرسہ خیر المدارس کے مہتمم حضرت مولانا محمد شریف صاحب جالندھری

نے بحالتِ سفرِ حج آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی چوکھٹ پہ مدینہ طیبہ میں پیغامِ اجل پر لبیک کہا اور جنت البقیع کے رشکِ جنت زمین میں آسودۂ راحتِ ابدی ہوئے۔ مرحوم کی وفات جہاں ایک عالم کی وفات ہے وہاں ایک گرانقدر دینی ادارہ اپنے سربراہ سے محروم ہوا۔ مرحوم سادگی اور بے نفسی تواضع و مسکنت میں اپنے بزرگوں کا نمونہ تھے۔ دارالعلوم حقانیہ اور الحق اس غم میں مرحوم کے پسماندگان اور مدرسہ خیر المدارس کا شریکِ تعزیت ہے۔ حق تعالیٰ مولانا مرحوم کو بلند سے بلند تر درجات عطا فرماوے اور خیر المدارس کو ان کا نعم البدل نصیب ہو۔

دوسرا حادثہ ہمارے علاقہ کے ایک جید محقق اور جری عالم و فاضل شخصیت حضرت مولانا سید امین الحق فاضلِ دیوبند طورو ضلع مردان کی جدائی کا ہے۔ مرحوم عرصہ سے صاحبِ فراش تھے۔ ایک بار اس سے قبل نہایت ثقہ اطلاع اور اخباری خبر سے ان کی وفات کا علم ہوا۔ اور الحق میں ان پر تعزیتی شذرہ آیا مگر یہ اطلاع اس وقت غلط تھی۔ الحق کو اس فروگذاشت پر از حد افسوس رہا مگر وقتِ موعود نے جب آنا تھا تو اس وقت کی غلط اطلاع اب سچی ہو گئی۔ کہ ہر ایک کو جانا ہے۔ جلد یا بدیر غنیمت ہے کہ جن کی حیاتِ مستعار کے لمحات و انفاس دینِ حق کے کام آجائیں اور مولانا نے خطابت و تدریس کے ساتھ ساتھ قلم و قرطاس کی شکل میں بھی اس کا حق ادا کیا وہ کئی فاضلانہ کتابوں اور مقالات کے مصنف بھی تھے اور الحق کے ابتدائی سالوں میں اس کے مقالہ نگار بھی۔

دعا ہے کہ حق تعالیٰ مولانا مرحوم کو ان کی خدماتِ علمی و دینی اور حمیتِ حق کا صلہ اس عالمِ جاودانی میں عطا فرماوے جہاں اس صلہ سے بڑھ کر کوئی دولت و نعمت نہیں ہو سکی۔

واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔

سمیع الحق

مفکرِ اسلام مولانا سید ابو الحسن علی ندوی مدظلہٗ

پندرہویں صدی میں عالمِ اسلام کیلئے دس نکاتی پروگرام

پندرہویں صدی ہجری کے متعلق ہم نے مولانا موصوف کا ایک نہایت وقیع مقالہ جو ماضی وحال کے آئینہ میں جائزہ بھی تھا تبصرہ بھی اور پیغام بھی۔ شائع کیا تھا۔ موجودہ اضافی مضمون بھی مولانا مدظلہٗ نے اس صدی میں عالمِ اسلام کے لئے ایک دس نکاتی پروگرام نہایت جامع اور وقیع انداز میں پیش فرمایا ہے جو عالمِ اسلام کیلئے دعوتِ فکر وعمل دے رہا ہے۔ "ادارہ"

ساتویں صدی اور دسویں صدی ہجری میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے جو واقعات اور اسباب بیان کئے گئے ہیں ان سے یہ نتیجہ نکالنا صحیح ہوگا کہ اسلامی معاشرہ کو ہر دور میں ایسے ربانی حقانی۔ بیدار مغز عالی ہمت مصلحین اور داعیوں کی ضرورت ہے۔ جو دعوت الی اللہ اور نفوس قدسیہ کی اصلاح وتربیت کا کام ناسازگار سے ناسازگار ماحول میں انجام دیں، جب اسلامی حکومتیں زیر وزبر ہو رہی ہوں، مادیت اور خواہشات نفسانی کے سیلاب بلا میں لوگ تنکوں کی طرح بہے چلے جا رہے ہوں۔ مال و دولت کے حصول کی ایک اندھی "ریس" جاری ہو، وہ گرتے ہوئے دلوں کو تھامنے، اللہ تعالیٰ سے ان کو جوڑنے، اور ان میں تازہ ایمان ویقین، محبت اور خوف الٰہی اور اعتماد و توکل پیدا کرنے کے کام میں لگ جائیں، وہ لوگوں کو پست اغراض سے بلند رہنے کا سبق دے رہے ہوں، دنیا کے مال ومتاع کی حقارت ان کے دل میں جاگزیں کر رہے ہوں، دولت وحشمت اور سلطنت وقوت کے سامنے سرنگوں اور سجدہ ریز ہوتے ضمیر وملت فروشی اور ملکوں اور قوموں کا سودا کرنے سے بیزار اور بالاتر بنائیں، اور عقیدہ واصول کے لئے قربانی اور راہ خدا میں شہادت کی آرزو سینوں میں بیدار کر دیں، ناامیدیوں کے گھٹا ٹوپ اندھیرے سے نکال کر رحمت ونصرتِ الٰہی کی روشنی میں لے آئیں، زوال آمادہ اور کرم خوردہ معاشرہ کو ایسے اہل طاقتور اور امانت دار اشخاص مہیا کریں جو حکومت کی نازک سے نازک ذمہ داریوں کو سنبھال سکیں، اور اسلام کی سرحدوں کی حفاظت ونگہداشت کر سکیں، یہ وہ ربانی حقانی لوگ ہیں جو اپنے اپنے معاشرہ و ماحول میں وہ خدمت انجام دیتے ہیں، جو خواجہ حسن بصریؒ نے بنو امیہ کے دور میں اور حافظ ابن جوزیؒ حجۃ الاسلام غزالیؒ اور سیدنا عبد القادر جیلانیؒ نے عباسیوں کے دور میں انجام دی تھی۔

ان ربانی اشخاص کا وجود ہر ملک اور ہر زمانہ کی بنیادی ضرورت ہے، وہ اس وقت کامیاب و بامراد ہوتے ہیں، جب حکومتیں ناکام ونامراد ہوجاتی ہیں[1] ان کا علَم دولت و اقبال اس وقت بلند ہوتا ہے جب حکومتوں اور طاقتوں کے فلک بوس جھنڈے سرنگوں ہوجاتے ہیں، اسلامی معاشرہ کے لئے سب سے بڑا خطرہ یہ ہے کہ وہ ان نفوس قدسیہ سے سراسر محروم ہوجائے، بہت سے وہ اسلامی اور عرب ملک جہاں اللہ تعالیٰ نے رزق اور اپنی نعمتوں کے دہانے کھول دئے ہیں، وہاں آج بشدت یہ "دعوتی و روحانی خلاء" محسوس ہوتا ہے۔ یہ خلاء وسیع تنظیمات عظیم علمی اداروں، سیاسی واشاعتی سرگرمیوں، فلک شگاف نعروں اور خدمت دین کے بلند بانگ دعووں سے پُر نہیں کیا جاسکتا۔

دینی دعوت اور اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لئے جو کوششیں دنیائے اسلام کے مختلف گوشوں میں مختلف انداز سے اور اپنی اپنی بصیرت، تجربہ اور حالات کے تقاضہ سے ہورہی ہیں، ان کو اپنے اپنے مرتبے پر رکھتے ہوئے، اور ان کی کسی نہ کسی درجہ میں افادیت کا اعتراف کرتے ہوئے۔ اس کی ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ اس پندرہویں صدی ہجری میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ اور مسلم معاشرہ کو مزید انحطاط و زوال کے خطرے سے بچانے اور نئی صدی ہجری کے چیلنجوں کا مقابلہ کرنے کے لئے کچھ معین نقاط (POINTS) اور چند واضح خطوط (LINES) خواہ ان کی حیثیت اشارات اور عنوانات سے زیادہ نہ ہو) پیش کردیئے جائیں، شاید باتوفیق اور بلند حوصلہ کارکنوں اور اسلام اور مسلمانوں کے لئے فکرمند جماعتوں کو ان سے کچھ روشنی یا مدد حاصل ہو۔

۱۔ مسلم عوام میں ایمان وعقیدہ کو طاقت پہنچانے (جسکی چنگاریاں اس کے خاکستر میں بہرحال موجود ہیں۔)

---

[1] پروفیسر ہٹی HITTI نے (جیساکہ پروفیسر خلیق احمد نظامی نے اپنی کتاب "تاریخ مشائخ چشت" میں نقل کیا ہے) اسی حقیقت کیطرف اشارہ کیا ہے، وہ لکھتا ہے کہ:

"سیاسی اسلام" کے نازک ترین لمحات میں" مذہبی اسلام نے بعض نہایت شاندار کامیابیاں حاصل کیں"۔

(HISTORY OF THE ARABS P-475)

یعنی اسلام نے ایک دین اور جاوداں پیغام کی حیثیت سے کامیابی وکامرانی حاصل کی، جبکہ اسلام ایک نظام حکومت کی حیثیت سے بعض اوقات شکست و ہزیمت سے دوچار ہوا۔ واضح رہے کہ اسلام میں دین و سیاست کی کوئی تفریق نہیں ہے، جیساکہ ہٹی کی عبارت سے مترشح ہوتا ہے۔

یہی بات ہالینڈ کے ایک فاضل مورخ لوکے گارڈ FRCIDE LOKKE GAARD نے بھی کہی ہے وہ لکھتا ہے: "گو اسلام کا سیاسی زوال تو بارہا ہوا لیکن روحانی اسلام میں ترقی کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہا"۔

اور ان کے دینی شعور کو بیدار و متحرک بنانے کی ضرورت ہے، ان مسلم عوام کی اسلام کے ساتھ وابستگی اور اس کے لئے گرم جوشی (خواہ وہ بعض اوقات حالات وحوادث ہی کا نتیجہ ہو) ایک ایسی بلند و مستحکم فصیل اور اسلام کا آہنی حصار ہے جس کی بدولت بہت سی مسلم (یا مدعی اسلام) قیادتوں اور حکومتوں کو کھل کر کفر کا راستہ اختیار کرنے اور اپنے ملکوں اور ماتحت مسلم قوموں کو کفر والحاد کی آغوش میں ڈال دینے کی ہمت نہیں ہوتی، اور اسلام ان تمام سازشوں اور منظم اور وسیع منصوبوں کے باوجود جو اس کو ان ملکوں سے بے دخل کرنے کے لئے اندرون یا بیرون ملک تیار کئے جاتے ہیں ان ملکوں میں زندہ اور کسی نہ کسی درجہ میں فعال اور مؤثر ہے، خدانخواستہ اگر کسی دن یہ حصار ٹوٹ گیا اور مسلم عوام کا رشتہ اور ان کی روحانی اور جذباتی وابستگی اسلام سے ختم ہوگئی تو پھر ان ملکوں میں اسلام کے بقا اور تحفظ کی کوئی ضمانت، اور ان قیادتوں (LEADER SHIPS) اور حکومتوں کے کھل کھیلنے اور اپنے ملکوں کو اسپین اور ترکستان بنا دینے سے کوئی چیز روک نہیں سکتی، پھر یہی عوام اور نرم اور بار آور زمین ہے جس سے ہر طرح کی قدرتی دولت حاصل کی جاسکتی ہے اور اس پر ہر طرح کے پر ثمر باغات لگائے جاسکتے اور محل تعمیر کئے جاسکتے ہیں، یہ وہ خام مال (RAW MATERIAL) ہے جس سے بہترین انسانی مصنوعات تیار کی جاسکتی ہیں۔ اور مردم سازی اور آدم گری کا کام کیا جاسکتا ہے۔ صدہا خامیوں اور قابل اصلاح پہلوؤں کے باوجود یہ وہ انسانی مجموعہ ہے جس پر پیغمبرانہ توجہات اور اہل قلوب اور اہل خلوص کی محنتیں صرف ہوئی ہیں۔ اور وہ آج بھی اپنے خلوص قلب، اپنی محبت اور گرم جوشی اور ایثار و قربانی کے جذبہ اور صلاحیت میں دوسری انسانی جماعتوں اور مذہبی قوموں سے فائق و ممتاز ہے۔

لیکن اسی کے ساتھ اس کی ضرورت ہے کہ ان مسلم عوام (MASSES) اور مسلم ممالک کی مسلم آبادی میں ان صفات کو بھی پیدا کرنے اور اس اسلامی سیرت کو بروئے کار لانے کے لئے بھی سخت جد و جہد کی جائے، جن کی بنا پر انسانی نفوس، نصرت آسمانی اور فتح و کامرانی کے مستحق ہوتے ہیں اور جن کی وجہ سے مخالفتوں اور رکاوٹوں کے پہاڑ گرد و غبار بن جاتے ہیں، مثلاً صحیح عقیدہ، توحید خالص جو شرک کے شائبہ سے محفوظ ہو، اسلامی سیرت اور اسلامی معاشرہ جو جاہلی رسم و رواج اور غیر مسلم اقوام کی تقلید سے پاک ہو۔ اس کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ مسلم معاشرہ کو اس مرض، نفاق اور اس "تضاد" سے پاک کیا جائے جو عرصہ سے اس میں سرایت کئے ہوئے ہے۔ اور جو اسلام کی اصل تعلیمات اور مثالی مسلم معاشرہ کے منافی ہے، اسی طرح ان کے اخلاق و عادات اور نفسِ امّارہ کو دولت و طاقت کے ان اثرات سے بھی اس کو بچانے کی کوشش کی جائے جن کی بنا پر انبیاء سابقین کی بہت سی امتیں مستحق عذاب اور موردِ غضب الٰہی ہوئیں، اسی طرح مغربی اقوام کے اس "اخلاقی جذام" سے بھی ان کو محفوظ رکھنے کی کوشش کی جائے جس میں مغربی تہذیب اور اہلِ مغرب مبتلا ہیں، اور اب وہ چاہتے ہیں مشرقی اقوام اور بالخصوص

مسلم ملکوں میں بھی وہ پوری طرح پھیل جائے۔

لیکن یہ اصلاحی کام ادھورا رہے گا۔ اور اس کے صحیح نتائج ظاہر نہیں ہوں گے جب تک کہ مسلمانوں میں صحیح دینی شعور پیدا کیا جائے اور ان کو صحیح ذہنی تربیت نہ ہو، ضرورت ہے کہ ان میں حقائق اور مسائل کا صحیح فہم اور دوست اور دشمن میں تمیز کی صلاحیت پیدا ہو، ان کا شعور اتنا بالغ اور ان کا دینی فہم اتنا عمیق ہو کہ وہ گہرے سیاسی مقاصد رکھنے والے رہبروں، سیاسی بازی گروں اور کھوکھلے نعروں سے دھوکہ نہ کھائیں اور عالم اسلام میں پھر روح فرسا المیوں (TRAGADIES) کا اعادہ نہ ہو، جن میں بعض بڑی پرجوش مسلم قومیں اور ممالک، جاہلی قوم پرستی (NATIONALISM) یا لسانی (LINGUISTIC) اور ثقافتی (CULTURAL) تعصبات کی آندھیوں میں پتوں کی طرح اڑ گئے، اور آسانی کے ساتھ شاطر قیادتوں اور غیر ملکی سازشوں کا شکار ہو کر اپنی سادگی اور شعور کی ناپختگی کی بھینٹ چڑھ گئے[1]۔

۲۔ دینی حقائق اور قرآنی و ایمانی اصطلاحات کو نیز دین کے صحیح تصور اور فہم کو ہر طرح کی تحریف سے بچایا جائے، اور ان کو جدید عصری و مغربی تصورات اور سیاسی و اقتصادی نظاموں کے (بے اعتدالی کے ساتھ) تابع اور مطابق بنانے اور اسلام کی خالص سیاسی تشریح و تعبیر اور اسلام کو ایک نظریۂ حیات ثابت کرنے اور عصری فلسفوں اور سیاسی نظاموں کی سطح پر لے آنے میں شدید احتیاط برتی جائے، اس لئے کہ حکومت و اقتدار اور نظام و فلسفہ، تغیر و ترقی پذیر چیزیں ہیں لیکن یہ دینی حقائق اور دین کا صحیح عقیدہ اسلام کی دائمی بنیاد اور وہ نقطہ ہے جس سے اس کا آغاز اور انجام مربوط ہے۔ انبیاء علیہم السلام نے اپنے اپنے زمانہ میں انہیں کی دعوت دی۔ اور انہیں کے راستہ میں ان کی ساری جدوجہد اور جہاد تھا۔ اسی طرح ہر ایسی چیز سے احتیاط ضروری ہے جس کی بنیاد "ایمان بالآخرۃ" پر نہ ہو اور جس سے حصولِ رضائے الٰہی کا جذبہ کمزور اور ایمان و احتساب[2] کی روح مضمحل ہوتی ہو، اور تقرب الی اللہ زندگی کی اصل غایت نہ ٹھہرتی ہو، نیز جس تعلیم و تلقین اور تفہیم و تشریح سے دورِ جاہلیت کی بت پرستی (جو ابھی زندہ ہے) اور شرک اور اس کے عام اعمال و مظاہر کی قباحت و نفرت کم ہوتی ہو، اور اس کو دورِ جاہلیت کی ایسی یادگار سمجھنے کا ذہن پیدا ہوتا ہو جس کا زمانہ لد گیا، اور جس کی اب اس ترقی یافتہ دور میں کوئی گنجائش نہیں[3]۔

---

[1] ملاحظہ ہو مصنف کا رسالہ "لسانی و تہذیبی جاہلیت کا المیہ اور اس سے سبق" شائع کردہ مجلس تحقیقات و نشریات اسلام لکھنؤ (اردو، عربی، انگریزی، بنگالی ایڈیشن)

[2] کسی کام کو محض اللہ کے وعدوں پر یقین اور اسکے موعود اجر و ثواب کے لالچ میں انجام دینے کو "احتساب" کہتے ہیں۔

[3] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو مصنف کی کتاب "منصب نبوت اور اس کے عالی مقام حاملین" (اردو، عربی، انگریزی،

حالانکہ بقول علامہ اقبال ع

اگرچہ پیر ہے مومن، جواں ہیں لات و منات

۳۔ ذات نبوت (علیہ الف الف سلام) سے مسلمان کے روحانی اور جذباتی تعلق پیدا ہونے اور برقرار رہنے کی کوشش، دل میں آپ کے لئے گہری محبت اور مسلم معاشرہ میں عشق نبوی پیدا کرنے کی کوشش جو ایک مسلمان کی نظر میں آپ کو اہل و عیال یہاں تک کہ اپنی ذات سے زیادہ محبوب بنا دے، جیسا کہ صحیح احادیث کے مطابق وہ ایمان کا تقاضہ اور اس کی علامت ہے، اور اس بات پر ذہنی طور پر پورا اطمینان اور اعتماد کہ آپ "ختم الرسل، مولائے کل، دانائے سبل" ہیں۔ اور ایسے تمام اثرات سے احتراز جو محبت کے ان سرچشموں کو خشک و پایاب، سنت پر عمل کرنے، اسوۂ رسول کی پیروی اور سیرت کے مطالعہ کے شغف اور اس کے تاثر کو کمزور کر دیں، یہی وہ وابستگی اور گرویدگی تھی جس نے عجمی قوموں کو اسلام کے رشتہ سے منسلک اور غیر اسلامی تہذیب اور قومیتوں میں تحلیل ہو جانے سے محفوظ رکھا۔

یہ پہلو اس زمانہ میں ممالک عربیہ کے لئے خاص طور پر اہمیت رکھتا ہے۔ جہاں پچھلے برسوں میں عرب قوم پرستی کی تحریکوں، عیسائی اور یہودی مصنفین کی کتابوں اور جدید عرب ادیبوں اور ان داعیوں و فضلائے جو محبت کے عنصر سے محروم یا مقام "محمد عربی" سے ناآشنا تھے، اس کو اس حد تک کمزور کر دیا ہے کہ اب اس کے دوبارہ احیاء اور تقویت اور ایک ایسے ایمان افروز اور روح پرور اسلامی ادب کی ضرورت پیدا کر دی ہے[1] جس کے پیش کرنے والے ایک عجمی عاشق رسول (اقبالؔ) کے الفاظ میں کہہ سکیں گے ؎

سپاہ تازہ برانگیزم از ولایت عشق
کہ در حرم خطرے از بغاوت خرد است

۴۔ مسلمانوں کے تعلیم یافتہ طبقہ میں اور جن کے ہاتھ میں آج ممالک اسلامیہ کی فکری تعلیمی قیادت اور ذرائع ابلاغ ہیں، اسلام کی ہر زمانہ میں رہنمائی کرنے، نئے نئے مسائل کا سامنا کرنے، نئی نئی گتھیوں کو سلجھانے اور انسانی قافلہ کو اس منزل مقصود پر پہنچانے اور کشتیٔ حیات کو کنارہ لگانے کی صلاحیت پر اعتماد کی بحالی، جو غلط تعلیم اور مغربی افکار کے اثر سے یا تو ختم ہو گیا ہے۔ یا متزلزل ہو چکا ہے۔ اس طبقہ نے فرض کر لیا ہے۔ کہ اسلام ایک ایسی بیٹری یا ٹارچ ہے جس کا مسالہ ختم ہو گیا ہے۔ یا ایک ایسی بتی ہے جس کا تیل ختم، اور اس کا فتیلہ جل چکا ہے۔ اس کے دل میں از سر نو یہ اعتقاد اور اعتماد پیدا کرنا کہ اسلام ایک عالمی اور جاوداں پیغام ہے۔

---

[1] ملاحظہ ہو مصنف کی کتاب "الطریق الی المدینہ" یا اس کا ترجمہ "کاروان مدینہ"

جس میں زمان و مکان کی کوئی تفریق نہیں، اس کی ہر زمانہ میں کشتی نوح کی حیثیت ہے جو تنہا غرق ہونے سے بچا سکتی ہے۔

اس اعتماد کا اس طبقہ کے دلوں سے بالکل نکل جانا، یا اس کا کمزور پڑ جانا اس طبقہ کا وہ اصلی مرض ہے جو اس وقت اس کے اکثر خلاف اسلام اقدامات، اور "اصلاحات" کا محرک اور اس ذہنی و تمدنی ارتداد کا سبب ہے۔ جس نے اس وقت پورے عالم کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔ اور جس کی وجہ سے ان رہنماؤں اور اہل حکومت اور مسلم عوام کے درمیان وہ عمیق و عریض خلیج پیدا ہو گئی ہے۔ جو کسی طرح سے پر نہیں ہوتی اور جسکی وجہ سے ان ملکوں میں ایک شدید ذہنی تہذیبی اور معاشرتی کشمکش برپا ہے، جو کبھی کبھی بغاوں اور انقلابات پر منتج ہوتی ہے۔

۵۔ اسلامی ممالک میں نظام و نصاب تعلیم کی بنیادی تبدیلی، اور از سر نو تشکیل جو ان مسلم اقوام و ممالک کے قد و قامت، قدر و قیمت، پیغام و فرائض اور اغراض و مقاصد سے پوری مطابقت رکھتی ہو، اور جو قطعاً کسی دوسرے ملک یا "کیمپ" سے درآمد نہ کی گئی ہو، بلکہ ان مسلمان ماہرین تعلیم اور ماہرین فنون کے اجتہاد و مطالعہ، اسلام کے عمیق و جامع فہم، اور بصیرت و تجربہ کا نتیجہ ہو، جو قدیم و جدید اور مشرق و مغرب کے خود ساختہ حدود و خطوط سے بالاتر اور آزاد ہوں، یہ ایک ایسا ضروری کام ہے جس میں مطلق تاخیر کی گنجائش نہیں، اس کے بغیر یہ اسلامی ممالک اپنے پاؤں پر نہ کھڑے ہو سکتے ہیں، نہ اپنے دماغ سے سوچنے کے قابل ہو سکتے ہیں، نہ اپنے عزم و ارادہ سے ان ممالک کا نظام چلا سکتے ہیں اور نہ ان ممالک کی دانش گاہیں، ادب و صحافت اور ذرائع ابلاغ، اسلام کے مزاج و روح اور معاشرہ کی ضرورت کے مطابق فرض انجام دے سکتے ہیں[1]

۶۔ ایک ایسی طاقتور، عالمگیر، علمی و تحقیقی تحریک، جو جدید نسل کا اسلام کے علمی ذخیرہ سے رشتہ استوار کر سکے۔ اسلامی علوم میں نئی روح پھونک سکے۔ اور اس حقیقت کو ثابت کر سکے کہ اسلامی قانون اور فقہ نہایت وسیع اور ترقی پذیر قانون ہے، وہ ایسے ابدی اصولوں پر قائم ہے، جو کبھی فرسودہ اور از کار رفتہ نہیں ہو سکتے، جس میں زندگی کے تغیرات و ترقیات کا ساتھ دینے کی پوری صلاحیت ہے اور جس کی موجودگی میں کسی وضعی، اور انسانی قانون کی پناہ لینے کی ضرورت نہیں، یہی عصر حاضر کا وہ "تجدیدی" کام ہے جو اسلامی ملکوں، اور موجودہ اسلامی معاشرہ کو ذہنی و معاشرتی ارتداد سے بچا سکتا ہے۔ اور مغرب زدگی و تجدد کے اس دھارے کو روک سکتا ہے۔ جو عالم اسلام میں، اس وقت پوری طغیانی پر ہے۔[2]

---

[1] تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو مصنف کی اس عنوان پر مستقل تصنیف "نحو التربیۃ الاسلامیۃ الحرۃ" یا اردو کتاب "اسلامیت و مغربیت کی کشمکش" عنوان "مغربی نظام تعلیم" اور "زہر کا تریاق" ص ۲۲۰ - ۲۳۴

[2] تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو مصنف کی کتاب "اسلامیت و مغربیت کی کشمکش" عنوان "قانون اسلامی میں تدوین جدید کی ضرورت" ص ۲۵۱ - ص ۲۵۵

۷۔ اسلامی ممالک اور مسلم معاشرہ میں اس اسلامی تمدن کی کارفرمائی اور جلوہ نمائی کی کوشش جو اسلام کے اصول و مقاصد، طہارت و عفت، اعتدال، ذوقِ سلیم، قرآنی تعلیمات، اسوۂ رسول، اور قرونِ اولیٰ کی اسلامی زندگی اور اسلام کے مثالی معاشرہ کے بہت سے محاسن کا جامع ہے۔ کسی ملک اور قوم کا محض عقائد و عبادات سے وابستہ رہنا، اور اس تمدن سے کنارہ کشی اختیار کر لینا جو ان دینی تعلیمات اور ان کے وسیع، جامع اور لچکدار اصول کے ماتحت پروان چڑھا ہو اور کسی اجنبی تمدّن کا اختیار کر لینا، دین کو عبادت گاہوں اور مذہبی رسوم (RITUALS) میں محدود اور ان ممالک کو تہذیبی و معاشرتی ارتداد کے خطرے سے دوچار کر دینے کے مترادف ہے۔ جہاں تک ان مسلم ممالک کا تعلق ہے جو مغربی تہذیب کے زیرِ اثر ہیں، ان میں دانایانِ فرنگ کی سازش پورے طور پر کامیاب ہو گئی ہے۔ جنھوں نے ان ممالک کو چند عبادات اور اسلامی شعائر کو چھوڑ کر بالکل اپنے رنگ میں رنگ لیا ہے۔ اور حکومت کے دفاتر سے لے کر قومی زندگی کے تمام شعبوں اور دائروں، سکونتی مکانات اور ہوٹلوں میں بعض اوقات یہ پہچاننا مشکل ہو جاتا ہے کہ ہم کسی مسلم ملک میں ہیں، یا کسی خالص مغربی ملک میں۔ ملی تشخص اور دین کے ساتھ زندہ اور طاقتور ربط کے لئے ضروری ہے کہ اسلام کے لئے پیدا کیا ہوا مخصوص تمدن اور طرزِ زندگی بھی ان ملکوں میں کارفرما ہو کہ تمدن اور زندگی کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔[1]

۸۔ عالمِ اسلام کی اس وقت ایک بڑی ضرورت یہ ہے کہ ایک ایسی فکری قیادت ابھرے جو مغربی تہذیب کا جرأت، اعتماد اور قوت و اجتہاد کے ساتھ سامنا کرے اور اس تہذیبِ جدید کے مختلف سانچوں، مکاتبِ فکر اور طریقہ ہائے عمل کے درمیان ایک نیا راستہ پیدا کرے، ایسا راستہ جو تقلید، نقل، غلو اور انتہاپسندی سے محفوظ، ظاہری اشکال، مظاہر اور سطحی نقطۂ نظر سے بلند ہو، حقائق اور وسائلِ قوت اور مغز کی طرف متوجہ ہو، اور اس کے ظاہری خول میں نہ الجھے، مغربی تہذیب اور علوم کے ساتھ خام مال (RAW MATERIAL) کا سا معاملہ کرے اور اس سے ایک نئی طاقتور تہذیب کی عمارت تعمیر اور زندگی کا ایک ڈھانچہ تیار کرے جو اس کے مقاصد اس کے عقیدے اور اس کے اصولِ اخلاق کے ساتھ ہم آہنگ ہو، یہ وہ انقلاب انگیز اور مجتہدانہ کام ہے جس کے بغیر عالمِ اسلام حقیقی طور پر آزاد اور خودکار نہیں ہو سکتا۔[2]

۹۔ ان حکومتوں کو جو مسلم اکثریت کے مالک ہیں دین پسند اور اسلام دوست عناصر سے برسرِ پیکار ہیں اور وہاں ایک معنوی و اقتصادی نسل کشی (GENOCIDE) کی مہم جاری ہے۔ اور اس پر اس ملک کے قائدین اور حکمرانوں کی

---

[1] اس موضوع پر مصنف کا مستقل رسالہ "اہمیۃ الحضارۃ فی تاریخ الدیانات وحیاۃ اصحابہا" ص۲۶۷ تا ص۲۸۱ (مذہب کی تاریخ اور ان کے پیروؤں کی زندگی میں تمدن کی اہمیت) شائع کردہ دارِ عرفات رائے بریلی۔

[2] تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو "اسلامیت و مغربیت کی کشمکش" عنوان "عالمِ اسلام کا سب سے بڑا خلا"۔

(جو کسی فوجی انقلاب کے نتیجہ میں یا کسی سازش کے ماتحت) حکومت و اقتدار میں آگئے ہیں۔ بہترین توانائیاں صرف ہو رہی ہیں، نیز بعض ان عرب ممالک کے سربراہوں کو جو دینی حقائق و مفاہیم اور شرعی احکام و نصوص میں ایسی تبدیلی لانا چاہتے ہیں جو ان کی سیاسی اغراض، شخصی کمزوریوں یا غیر ملکی منصوبوں کی کامیابی میں مدد کر سکیں، یہ باور کرانے کی کوشش کرنا کہ یہ حکمت عملی بے نتیجہ، قومی سالمیت اور استحکام کے لئے مضر اور انتشار انگیز کوشش ہے جو ہر مسلم ملک میں ناکام ہو چکی ہے، ان کو ان مقاصد اور کوششوں کیطرف متوجہ کرنا، جو ملک کے لئے حقیقی طور پر مفید اور اس کی طاقت و حفاظت کا ذریعہ ہیں۔

اسی طرح سے ان مسلمان حکومتوں اور ان کے سربراہوں کو جن کے دل میں اسلام کی عزت و محبت ہے شریعت اسلامی کے نفاذ اور اسلامی قوانین کے اجراء پر اور اس مقصد کے لئے مناسب فضائل اور ماحول تیار کرنے پر آمادہ کرنا اور اس بات کا یقین دلانا کہ یہ تبدیلی خدا کی طرف سے فتح و نصرت اور معاشرہ میں سعادت و برکت پیدا ہونے کا موجب ہو گی۔

اسی کے ساتھ عالم اسلام میں ایک ایسی مرکزی قیادت کے عالم وجود میں آنے کی فکر و سعی جو "شورائیت" کے اسلامی اصول اور "تعاون علی البر والتقوی" کی بنیاد پر قائم ہو، اور اپنی اس کوتاہی اور محرومی پر کم سے کم تاسف و ندامت کہ اس وقت عالم اسلام خلافت کے اس ضروری ادارے اور اس مبارک نظام سے محروم ہے، جس کے قیام کے مسلمان مکلّف بنائے گئے تھے اور جس سے محرومی کا جرمانہ وہ مختلف شکلوں میں ادا کر رہے ہیں۔

۱۰۔ جہاں تک خالص غیر مسلم ممالک کا تعلق ہے وہاں اسلام کا ایسا مؤثر اور معقول تعارف اور اس طرح اسلامی دعوت کا پیش کرنا جو اسلام کے مزاج اور اس زمانہ اور ان کی قوموں کی نفسیات کے مطابق ہے، اس لئے کہ ان ممالک میں (صحیح دین اور روحانی و اخلاقی تعلیم کا خلا موجود ہونے اور تہذیب حاضر کی ناکامی کی وجہ سے) اسلام کے لئے روشن امکانات پیدا ہو گئے ہیں، اور اس کی اشاعت کا وسیع میدان پایا جاتا ہے۔

جہاں تک ان ممالک کا تعلق ہے جن میں مسلم اقلیتیں پائی جاتی ہیں وہاں مسلمانوں کو اپنی نئی نسل کی دینی تعلیم کے آزاد و خود کفیل انتظام، اپنے پرسنل لاء[1] کے تحفظ، نئے نئے قوانین کے بارے میں بیدار مغزی اور خودداری کا ثبوت دینے کے ساتھ ان ممالک کی اخلاقی قیادت کے خلا کو پر کرنے کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت ہے، جس کو صرف وہی پر کر سکتے ہیں بلکہ جس کے ذریعہ سے وہ نہ صرف اپنی افادیت و ضرورت ثابت کر سکتے ہیں بلکہ اس بر سر انحطاط معاشرہ اور ان زوال پذیر ملکوں کے نجات دہندہ اور معمار بن کر ان کے محبوب رہنما اور محترم قائد بھی بن سکتے ہیں[2]۔ اور اسطرح

---

[1] ملاحظہ ہو دینی تعلیمی کونسل اتر پردیش اور مسلم پرسنل لاء بورڈ (مونگیر) کیطرف سے شائع کیا ہوا لٹریچر۔

[2] تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو مصنف کا رسالہ "تحریک پیام انسانیت کے بارے میں ایک اہم انٹرویو" حلقہ پیام انسانیت لکھنؤ

(باقی)

از حضرت علامہ مولانا شمس الحق افغانی مدظلہ

عقیدۂ قیامت، معاد اور مجازات اعمال

اسماء القیامۃ

جس چیز کے نام کثیر التعداد ہوں تو یہ اس کی عظمت کی دلیل ہے۔ اللہ جل جلالہ کے نام بہت ہیں جو مسمی کے معظم ہونے کی دلیل ہے۔ امام سیوطیؒ نے بدور السافرۃ فی امور الآخرۃ میں روز قیامت کے اسّی اسماء ذکر کئے ہیں۔ (ص ۴۳ مطبوعہ کانشی رام لاہور) ہم ان میں سے صریح مشہور اسماء کا ذکر کرتے ہیں۔

۱۔ الساعۃ یہ قیامت کا نام ہے دو وجہ سے۔ ایک اس وجہ سے کہ قیامت اچانک آئے گی۔ جیسے ایک گھنٹہ گذر جانے کے بعد اچانک دوسرا گھنٹہ آجاتا ہے۔ دوم اس وجہ سے کہ قیامت میں اولین آخرین کا حساب تھوڑے وقت مثلاً ایک گھنٹہ میں ختم ہو جائے گا یہی سریع الحساب ہونے کا معنی ہے۔ یہی معنی حضرت علیؓ سے منقول ہے اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا (الجاثیۃ)

۲۔ القیامۃ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ (آل عمران آیت ۱۸۵) اس نام کی وجہ یہ ہے کہ قیامت کھڑے ہونے کا نام ہے اور اس دن تمام لوگ اور ملائکہ اور روح اللہ کے آگے کھڑے ہوں گے جب تک اللہ چاہے۔

۳۔ القارعۃ قرعہ دل کو لرزانے اور کھٹ کھٹانے کا نام ہے۔ یہ دن اپنی ہیبت ناکیوں سے دلوں کو خوفزدہ کر دے گا۔ اَلْقَارِعَةُ مَا الْقَارِعَةُ

۴۔ الحاقۃ یہ حق سے ماخوذ ہے اس نام میں یہ بتانا مقصود ہے کہ یہ دن حق ہے اور اس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔

۵۔ الواقعۃ وقوع سے ماخوذ یعنی اس دن کے واقع ہونے میں شبہ نہیں۔ بلکہ حقیقت واقعیہ ہے یہ دونوں نام بالترتیب اَلْحَآقَّةُ مَا الْحَآقَّةُ - اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ میں مذکور ہے۔

۶۔ الغاشیہ | ھَلْ اَتٰکَ حَدِیْثُ الْغَاشِیَۃِ ط غشی کے معنی چھپانے کے ہیں یہ دن اپنی ہیبت ناکیوں سے دلوں کو چھپالے گا اور لوگ حواس باختہ ہوجائیں گے۔

۷۔ آزفہ | ازفۃ الازفۃ لیس لھا من دون اللّٰہ کاشفہ آزف قریب ہونے کو کہتے ہیں۔ ازف الشئی قرب اور یہ دن حقیقت کے اعتبار سے قریب ہے۔ کہ آنے والی چیز قریب ہوتی ہے اور جانے والی چیز بعید ہوتی ہے۔ نیز موت قیامت کا دروازہ ہے۔ اور موت قریب ہے۔

۸۔ یوم التغابن | غبن دھوکہ کو کہتے ہیں۔ اس دن یہ امر ظاہر ہوگا کہ حیات دنیا میں کون سے لوگ دھوکہ میں مبتلا رہے۔ جنہوں نے عمر عزیز کا قیمتی حصہ کن مضر چیزوں میں گنوایا اور کن قیمتی اعمال سے محروم رہے۔ ذٰلِکَ یَوْمُ التَّغَابُن۔

۹۔ خافضۃ | یعنی پست کرنے والا دن کہ دین سے برگشتہ افراد جہنم کی پست ترین ذلت میں اس دن پہنچیں گے۔

۱۰۔ رافعہ | بلند کرنے والا دن۔ جن لوگوں نے دنیا کی زندگی میں دین کا اہتمام کیا ہے وہ اس دن جنت کے بلند مقام کی شہنشاہیت سے نوازے جائیں گے۔ خافضۃ رافعۃ۔ طامۃ الکبریٰ۔ فاذا جاءت طامۃ الکبریٰ طامۃ الکبریٰ بڑے ہنگامے کا نام ہے۔ قیامت سے بڑا ہنگامہ ممکن نہیں۔ جس میں تمام انسانوں کی قسمت کا ابدی فیصلہ ہوگا۔

قیامت اور حشر نشر انسانی زندگی کا اہم شعبہ ہے جس پر دائمی تباہی یا خوش حالی کا مدار ہے۔ قیامت کے متعلق تین امور قابل غور ہیں۔

۱۔ قیامت کا وجود جس کو ہم صورت قیامت سے تعبیر کرتے ہیں۔

۲۔ مقصد قیامت یعنی مجازاۃ اعمال جس کو ہم روح قیامت سے تعبیر کرتے ہیں۔

۳۔ تفصیلات قیامت مثلاً (۱) کیفیت قیامت۔ (۲) وزن اعمال حوض۔ (۳) عبور صراط و نور۔ دوزخ (۴) و جنت وغیرہ

سب سے پہلے ہم صورت قیامت و معاد کا ذکر کرتے ہیں۔ اور ان کے عقلی و نقلی دلائل پیش کرتے ہیں۔

معاد اور قیامت کا ثبوت نقلی | ۱۔ تمام سماوی ادیان قیامت اور مردوں کے دوبارہ زندہ کئے جانے پر متفق ہیں۔ اور تمام ملل سماوی اس کو تسلیم کرتے ہیں۔ شرح مواقف ج ۸ ص ۲۹۷ میں یہ نقل موجود ہے۔

اَجْمَعَ اَھْلُ الْمِلَلِ وَ الشَّرَائِعِ عَنْ اٰخِرِھِمْ عَلٰی جَوَازِہٖ وَ وُقُوْعِہٖ

یعنی تمام اہل ملت و شریعت حشر اجساد کے جواز اور وقوع پر متفق ہیں۔

۲۔ خود تمام آسمانی کتابوں میں قیامت کا تذکرہ موجود ہے

۴۔ تمام انبیاء علیہم السلام جن سے بڑھ کر صادق اور راست باز اولادِ آدم میں نہیں۔ وہ سب قیامت کی خبر دیتے رہے ہیں۔ قرآن نے قیامت کا بیان نہایت تفصیل سے بیان کیا ہے۔ پھر مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَکُمْ فرمایا یعنی قرآن گذشتہ آسمانی کتابوں کے اصول و عقائد کی تصدیق کرتا ہے جس سے ثابت ہوا کہ قرآن نبوت و قیامت و مجازاتِ اعمال وغیرہ امور میں سابق تعلیمات کتب سماویہ کا مصدق ہے۔ قیامت کے بعد آخرت کی زندگی سے بڑھ کر اور پائیدار ہے۔ وَالْآخِرَۃُ خَیْرٌ وَّاَبْقٰی۔ اخروی زندگی بہتر اور پائیدار ہے۔ پھر فرمایا اِنَّ ہٰذَا لَفِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰی صُحُفِ اِبْرَاہِیْمَ وَمُوْسٰی۔ یہ مضمون حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیہم السلام کے صحیفوں میں موجود ہے۔

تردید انکارِ فلاسفہ | فلاسفہ نے حشرِ اجساد کا انکار کیا ہے۔ لیکن مجازاۃ اعمال کو وہ بھی تسلیم کرتے ہیں بعض بہ شکل سعادت و شقاوت روحانی اور بعض بشکل تناسخ ارواح جس کی ہم آگے چل کر تردید کریں گے۔ فلاسفہ کا انکار خود ان کے قواعد فلسفہ کے تحت بھی مردود ہے۔ کیونکہ وہ ہر ممکن کو تحت القدرت تسلیم کرتے ہیں۔ اور یہ

۵۔ ظاہر ہے کہ حشرِ اجساد کے ممکنات سے ہے۔ حشر میں ایک جزو روحِ انسانی ہے۔ دوم ذرات بدن۔ سوم تالیف اور ہیئت ترکیبیہ اور یہ تینوں اشیاء از قسم ممکن داخل قدرت الٰہیہ ہیں۔ کیونکہ یہ دونوں چیزیں موت سے قبل اللہ کے ایجاد سے موجود ہوتی تھیں۔ اگر غیر ممکن اور ممتنع ہوتیں تو پہلی مرتبہ بھی وجود میں نہ آتیں۔ اب دوبارہ موجود ہونا تو زیادہ عقل کے قریب ہے۔ اسی کو قرآن نے بیان کیا۔ وَھُوَ اَھْوَنُ عَلَیْہِ ط وَلَہُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی (روم ۳)
یعنی دوبارہ پیدا کرنا انسانی قدرت کے قاعدہ سے زیادہ آسان ہے، پہلی بار سے۔ اگرچہ اللہ بہت بلند ہے۔ لہٰذا اس کے اعتبار سے دونوں تخلیقوں میں کچھ فرق نہیں۔

شبہہ اعادہ معدوم | فلاسفہ کا انکار اس شبہہ پر مبنی ہے۔ کہ وجود اول و دوم ایک ہے۔ اور عدم دو مغائر چیزوں میں آتا ہے۔ لہٰذا معدوم کا بعینہٖ اعادہ نہیں ہوتا۔ اور قیامت میں سابق معدوم کا بعینہٖ اعادہ ہے۔ یہ شبہہ بالکل باطل ہے۔ ایک تو اس وجہ سے کہ اول وجود کا زمانہ اور ہے اور دوم وجود کا اور۔ لہٰذا زمان اول کا وجود ختم ہوا۔ اور دوسرے زمانے میں اس نے وجود پایا۔ جو بعینہٖ پہلی چیز کا وجود ہے جو وجود پہلے زمانہ میں آ سکتا ہے۔ وہ معدوم ہو کر دوسرے زمانے میں کیوں نہیں آ سکتا۔ اگر یہ کہا جائے کہ زمانہ بدل جانے سے بعینہٖ پہلی چیز کا اعادہ نہیں ہوا۔ کیونکہ پہلی چیز کی شخصیت کا جزو وہ زمانہ تھا۔ جو نہیں لوٹایا گیا تو یہ غلط ہے۔ کیونکہ زمانہ مشخّص نہیں اس لئے اس کی تبدیلی سے شخصیت نہیں بدلتی۔ ورنہ کل کا آدمی آج کے دن میں پہلا شخص نہیں کہلائے گا۔ کیونکہ کل اور آج کے زمانہ میں فرق ہے۔ باقی اعادہ معدوم کے استحالہ اور زمانے سے شخصیت کی تبدیلی کی غلطی ہم ایک مثال سے سمجھاتے ہیں۔ ایک انسان کا وجود اول زمانہ

میں ہونا اور پھر موت کے ذریعے معدوم ہو کر قیامت کے دوسرے زمانہ میں موجود ہونا اس کو ایسا سمجھو کہ ایک آدمی لاہور سے کراچی چلا جائے گویا اس کا پہلا مکان لاہور تھا اس سے گم ہو کر دوسرے مکان میں موجود ہوا۔ اور درمیانی وقت میں لاہور سے چلا ہے۔ اور کراچی نہیں پہنچا۔ یہ اس کے لئے دونوں شہروں میں معدوم ہونے کا زمانہ ہے۔ تو ایسا ہونے میں کیا محال لازم آتا ہے۔ انسان مر کر پہلے زمانہ میں معدوم ہوا اور آخرت نہ پہنچنے کی حالت میں آخرت سے بھی معدوم ہے اور آخرت آنے پر وہاں دوبارہ موجود ہوا کیونکہ زمان سے عدم میں کوئی فرق نہیں گویا کہ لاہور کو وجود انسان کے لئے مانند دنیوی وجود سمجھو۔ اور قیامت و آخرت کے وجود کو مثل وجود در کراچی اور درمیان میں قطع مسافت کے وقت اس کی جو حالت ہے کہ اس وقت وہ نہ لاہور میں ہے اور نہ کراچی میں۔ اس کو عالم برزخ اور قبر کی حالت کی طرح سمجھیں کہ مردگان نہ دنیا میں ہیں نہ آخرت میں۔ اسی طرح اگر زمانے کی تبدیلی سے دنیا کا شخص وہ نہیں رہا ہے جو قیامت میں زندہ کیا گیا کیونکہ زمانے کا فرق ہے تو یہ دو وجہ سے غلط ہے۔ ایک اس وجہ سے کہ زمانے سے اگر شخصیت بدلتی ہے تو مکان کی تبدیلی سے بھی شخصیت بدل جائے گی۔ لہذا جو شخص لاہور میں ہے اگر وہ ملتان آجائے تو وہ دوسرا آدمی ہو گا پہلا نہ ہو گا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ وحدت کا مدار اجزا اصلیہ اور روح کی وحدت پر ہے۔ اس کے علاوہ اگر کچھ فرق ہو تو اس سے عرفاً شخصیت نہیں بدلتی۔ مثلاً اگر کسی آدمی کا رنگ پہلے سفید ہو پھر گرم ملک میں دھوپ میں کام کرنے کی وجہ سے اس کا رنگ سیاہ ہو جائے تو سفیدی و سیاہی کے فرق کے باوجود شخص ایک رہے گا۔ اس کو کوئی قانون دو قرار نہیں دے سکتا۔ اسی طرح اگر ایک آدمی جس کی عمر پندرہ سال ہو وہ تیس سال کا ہو جائے تو رنگ و روپ اور طول و عرض کا فرق ناگزیر ہے لیکن پھر بھی وہ ایک ہی شخص قانوناً کہلائے گا۔ کوئی حکومت اس کی تنخواہ کی ادائیگی سے یہ کہہ کر انکار نہیں کرے گی کہ جس عمر میں تیرا تقرر ہوا اب کچھ تبدیلی ہو گئی لہذا تم دوسرے شخص ہونے کی وجہ سے تنخواہ کے حقدار نہیں۔ اور نہ لمبے مقدمہ میں کوئی عدالت یہ کہہ کر اس کا مقدمہ خارج کرے گی کہ تم بدل گئے ہو اب تم سابق مدعی نہیں رہے۔ اسی طرح اعمال نیک و بد کی وجہ سے اجزا اصلیہ کی وحدت کے باوجود اگر رنگ و روپ کا قیامت میں کچھ فرق ہو تو آدمی بعینہ وہی کہلائے گا۔

المذاہب فی المعاد روح کے متعلق دو رائیں ہیں۔ ایک یہ کہ وہ جسم لطیف ہے دوم یہ کہ وہ مجرد اور غیر مادی ہے۔ اب اسی اختلاف کے تحت معاد کے سلسلے میں شرح مواقف مصری ج ۸ ص ۲۹۷ کی نقل کے مطابق پانچ اقوال ہیں۔

۱۔ معاد صرف جسمانی ہے کیونکہ بدن کی طرح روح انسانی بھی جسم ہے لہذا صرف جسم ہی کا اعادہ ہے۔ کثیف جسم بدن اور لطیف جسم روح کا اعادہ ہے۔ یہ اکثر متکلمین اسلام کا قول ہے جو روح کو مجرد نہیں مانتے۔

۲۔ معاد صرف روحانی ہے یعنی جسم کا اعادہ نہیں۔ صرف روح مجرد ہی مدار سعادت وشقاوت ہے۔ یہ یونان کے فلاسفہ الہیین کا قول ہے۔

۳۔ معاد جسمانی و روحانی دونوں ہیں۔ بدن کا اعادہ جسمانی اعادہ ہے۔ اور روح مجرد کا اعادہ روحانی اعادہ ہے تو معاد جسمانی بھی ہوا اور روحانی بھی۔ یہ حلیمی۔ غزالی۔ ابوزید۔ دبوسی۔ راغب معمر اور متاخرین امامیہ اور اکثر صوفیا کا قول ہے۔ یعنی یہ حضرات روح کو مجرد مانتے ہیں۔

۴۔ معاد نہ جسمانی ہوگا اور نہ روحانی۔ یہ یونان کے حکما الہیین کا قول ہے۔

۵۔ نفی اور اثبات معاد دونوں میں توقف ہے۔ یہ جالینوس کا قول ہے۔ ان کو اس پر شبہ ہے۔ کہ روح مزاج منعدم بالموت کا نام ہے۔ یا جوہر باقی بعد الموت کا۔

ان پانچ اقوال کا تعلق صرف بدنِ انسانی اور روح انسانی کے ساتھ ہے۔ لیکن یہاں ایک چھٹا قول مجازاۃ کے سلسلے میں تناسخ ارواح کا ہے۔ جو حکماء ہند اور بعض حکماء یونان اور بعض حکماء یونان اور بعض منسوب الی الاسلام حضرات کا قول ہے۔ مثلاً احمد بن حابط جو ابراہیم نظام کا شاگرد ہے۔ ابو مسلم خراسانی۔ محمد بن زکریا۔ طبیب رازی اور قرامطہ کا ہے۔

مجازاۃ کی تین شکلیں | دیکھو آخر کے لئے ملل نحل ابن حزم ج اص ۹۰۔ اب مجازات اعمال کی شکلیں تین ہوئیں۔

۱۔ اہل اسلام اور ملل سماویہ کی رائے ہے کہ حشر اجساد اور بعث بعد الموت کی شکل میں مجازاۃ بہ شکل جنت و دوزخ ہوگی۔

۲۔ بغیر حشر اجساد کے روح کا نیکی و بدی کے اثر، لذت والم کو محسوس کرنا مجازاۃ ہے جو حکما الہیین کا قول ہے۔

۳۔ اعمال گذشتہ نیک و بد کے مطابق ارواح کا انسان اور حیوان کے قالب میں بغرض مجازاۃ منتقل ہونا مجازاۃ ہے۔ یہ بعض حکما یونان اور اکثر حکما ہند کا قول ہے۔

تنقید | اخیر کے دو قول انبیا علیہم السلام اور کتب سماویہ کے خلاف ہیں۔ اور عقل و فلسفہ کی بنیاد پر بھی غلط ہے۔ روحانی مجازات تو اس لئے غلط ہے کہ اعمال میں بدن اور روح دونوں شریک ہیں اور مجازاۃ روحانی کا تعلق تو صرف روح سے ہے، نہ بدن سے۔ کوئی نیکی ہو مثلاً نماز یا بدی ہو مثلاً قتل، نہ اس کو صرف روح کر سکتی ہے اور نہ صرف بدن کر سکتا ہے۔ بلکہ دونوں کی شرکت سے ہوتی ہے۔ لہٰذا نیکی و بدی کے نتائج میں بھی دونوں کی شمولیت ضروری ہے۔ جیسی اسلامی مجازاۃ اعمال میں ہے۔ کہ روح اور بدن کو ملا کر زندہ کرنا ہے۔ اس کے بعد جنت و دوزخ کی شکل میں دونوں کو جزا دینا ہے۔ لیکن صرف روح پر مدار جزا رکھنا جیسے قول دوم یا سوم کا مفہوم ہے غلط ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ کسی انار کے باغ میں چوری کی غرض سے دو آدمی جا کر انار توڑ کر

کر جمع کریں۔ ان میں سے ایک اندھا ہو اور دوسرا لنگڑا ہو۔ اندھا انار کو پہنچ سکتا ہے لیکن پکے اور کچے انار میں فرق نہیں کر سکتا کہ وہ بینائی سے محروم ہے۔ اور لنگڑا فرق تو کر سکتا ہے۔ لیکن لنگڑاہٹ کی وجہ سے پہنچ نہیں سکتا۔ اب یہ دونوں طے کرتے ہیں کہ اندھا لنگڑے کو کندھے پر سوار کر کے اس سے انار پر پہنچا کر پکا انار توڑ واتا ہے۔ کہ اچانک مالک باغ دونوں کو پکڑ کر عدالت میں پیش کرتا ہے۔ عدالت میں ہر ایک اپنی برأت کے لئے دلیل پیش کرتا ہے۔ اندھا کہتا ہے کہ میں نے چوری نہیں کی کہ میں تو دیکھتا نہیں اور لنگڑا کہتا ہے کہ میں نے چوری نہیں کی کہ میں تو پہنچ نہیں سکتا۔ ایسی صورت میں یقیناً عدالت کا فیصلہ یہ ہو گا۔ کہ یہ چوری دونوں نے مشترک کی ہے۔ لہٰذا سزا بھی دونوں کو دینا چاہئے۔ یہی اعمال نیک و بد کے بارہ میں جسم و روح کا ہے۔ کہ صرف ایک کافی نہیں جب تک دونوں نہ ہوں۔ لہٰذا جزا بھی دونوں کی شرکت ضروری ہے۔ اس کے علاوہ روحانی مجازاۃ کی حقیقت ایک خوابیدہ شخص کے اچھے یا برے میں احساس دکھ ہوتا ہے اور اسی درجے کی دکھ یا سُکھ کا احساس اصلاح بشری کے لئے کافی نہیں۔ جزا کے لئے یہ ضروری ہے کہ فوت شدہ فائدہ کے مقابلہ میں قوی تر فائدہ ہو۔ مثلاً ایک آدمی کے پاس کسی یتیم کے باپ نے دس ہزار کی رقم امانت رکھی ہے جس کا یتیم کو علم نہیں۔ اور نہ تحریری یا شہادتی ثبوت ہے۔ ایسی صورت میں اس شخص کو جزا امانت کی امید پہ یتیم کو اس کے والد کی دس ہزار کی رقم کو حوالہ کرنا دس ہزار کا فائدہ کھو دیتا ہے۔ اور اس رقم سے جو کچھ نتیں وہ حاصل کر سکتا تھا اس سے دستبردار ہوتا ہے۔ اور ایسی قربانی کے لئے تیار ہونے کا محرک وہی جزا ہو سکتا ہے جو دس ہزار روپے سے لاکھ گنا زائد قیمتی اور کروڑ گنا سے زیادہ پائیدار ہو مثلاً جنّت۔ نہ یہ کہ دس ہزار کی امانت ادا کرنے میں بعد از موت صرف اس کو اچھا تصور نصیب ہو۔

ردِ تناسخ | مجازاۃ بشکل تناسخ بھی بوجوہات ذیل عقلاً درست نہیں۔

۱۔ تناسخ انصاف کے خلاف ہے۔ کیونکہ تناسخی مجازات کا تعلق صرف روح سے ہے۔ بدن اس میں شریک نہیں۔ مثلاً ایک مجرم انسان کی روح اگر مرنے کے بعد کسی بھنگی کے بچے کی قالب میں ڈال کر اس کو بھنگی کے گھر میں یا کسی ذلیل جانور میں ڈال کر اس کو جرم کی سزا دی جائے تو اس سزا میں اس مجرم انسان کا بدن شریک نہیں۔ بلکہ سزا صرف روح کو دی گئی۔ کہ اس کو انسان ذلیل یا حیوان کے حقیر قالبوں میں ڈال کر زحمت دی گئی۔ حالانکہ جرم میں روح کے ساتھ مجرم کا بدن بھی شریک رہا ہے۔ یہ خیال نہ کیا جائے کہ بدن روح کے لئے صرف جرم کرنے کا آلہ ہے۔ اس لئے جزا میں شریک کرنا ضروری نہیں۔ مثلاً جیسے تلوار یا بندوق قاتل کے لئے آلہ ہے۔ اس لئے اس کو جزا سے خارج سمجھا گیا۔ جیسے قاتل کو سزا دی جاتی ہے۔ لیکن اس کی تلوار اور بندوق کو سزا نہیں دی جاتی۔ یہ غلط ہے کیونکہ بدن آلہ جرم کی حیثیت نہیں رکھتا کیونکہ آلہ فعل نہیں خود فاعل ہے آلہ مثلاً تلوار فاعل

یعنی قاتل سے بالکل جدا اور منفصل وجود رکھتا ہے۔ لیکن روح و بدن میں مکمل اتصال اور بدن کے ہر حصہ میں روح سرایت کی ہوئی ہے۔ دوم یہ کہ تلوار قاتل میں تاثر باہمی نہیں۔ قاتل کے غم یا خوشی سے تلوار پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ لیکن روح کے غم اور خوشی سے بدن متاثر ہوتا ہے۔

یہ تصور تناسخ کی صحت کی دلیل نہیں۔ کہ انسان حیوانات سے کام لیتا ہے۔ اس لئے حیوانات کے اندر جو روحیں ہیں انہوں نے انسانی قالبوں میں رہ کر کوئی جرم کیا ہے۔ جس کی سزا میں ان کو حیوانی ذلت نصیب ہوئی ہے یا کم درجے اور غریب انسانوں کی روحوں نے اس سے پہلے انسانی قالب میں کوئی جرم کیا تھا جس کی سزا میں ان کو غریب گھرانے میں لوٹا کر جرم کی سزا میں مبتلا مصائب کیا۔ کیونکہ حیوانات کی فطرت کا تقاضا یہ ہے کہ انسان ان سے کام لے۔ جس کے لئے جرم سابق کا وجود ضروری نہیں۔ کیونکہ اس کے بغیر نظام عالم چل نہیں سکتا اور نہ حیوانات کے وجود کی حکمت نمایاں ہو سکتی ہے بلکہ اگر انسان اس سے کام نہ لے تو حیوانات کا وجود لغو اور بے کار ٹھہرے گا جو خدائے حکیم کی شان کے خلاف ہے۔ اسی طرح انسانوں کی خوش حالی اور بدحالی تقاضا فطرت ہے کہ غنی فقیر سے کام لے اور غنی اس کو اجرت دے۔ غنی فقیر اور غریب کے عمل کا محتاج ہے۔ اور غریب امیر کی اجرت کا۔ اور اسی احتیاج باہمی سے انسانی تمدن کا ربط قائم ہے۔ ورنہ انسانی تمدن کا شیرازہ بکھر جائے گا۔ اسی طرح امراض اور مصائب دنیا بھی حکمت سے خالی نہیں۔ تاکہ صحت کی حالت میں شکر کا جذبہ۔ مصیبت اور مرض کی حالت میں صبر کا جذبہ ظہور میں آ کر انسانی کمالات کے ظہور کا موجب بنے۔

۲۔ <u>تناسخی مجازات میں جرم کا علم نہیں</u> اگر تناسخی مجازات کو تسلیم کیا جائے تو سزا جرم کے لئے تحقیق جرم اور اس کی سزا کا علم ضروری ہے۔ جیسے دنیا کی عدالتوں میں مروج ہے۔ لیکن کسی حیوانی روح کو یہ پتہ نہیں کہ اس نے سابق کونسا جرم کیا ہے۔ اور اس کو کس جرم کی سزا میں حیوان کے قالب میں ڈالا گیا ہے۔ لہذا تناسخ نامعقول ہے۔

<u>تعداد موت و ولادت کا تفاوت تردید تناسخ ہے۔</u> اگر حیوانات کی پیدائش انسانی روحوں کو بسبب جرائم کے حیوانی قالبوں میں ڈھالنے کا نتیجہ ہے جیسے تناسخ والوں کا خیال ہے تو چاہیئے کہ جتنے مجرم اور گناہ گار انسان مر جائیں بعینہ اتنی تعداد میں حیوانات کی پیدائش ہو کیونکہ انہی فوت شدہ مجرم انسانوں کی روحوں کی حیوانات کی قالب میں پڑنے سے ان کی تعداد کے موافق حیوانات کی حیات و پیدائش کا حاصل ہونا ضروری ہے۔ لیکن اگر کسی دن ایک لاکھ انسان مرتے ہیں جن میں نصف یا کچھ زیادہ مجرم ہوتے ہیں تو اسی تعداد کے مطابق کیڑے مکوڑے اور دیگر حیوانات پیدا نہیں ہوتے بلکہ کروڑوں اربوں ایک دن میں حیوانات پیدا ہو جاتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حیوانات کی پیدائش

پیدائش مجرم روحوں کی تناسخی چکر اور گردش کا نتیجہ نہیں بلکہ ابتدائی تخلیق کے طور پر حیوانات پیدا ہوتے ہیں۔ اس لئے نظریہ تناسخ غلط ٹھہرا۔

۴۔ تناسخ کی تردید کی بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ اگر تناسخ مان لیا جائے تو انسان اور حیوانات کی روحوں کی وحدت کا قائل ہونا پڑے گا۔ کہ درحقیقت حیوانات کی روحیں بھی انسانی روحیں ہیں جو جرم کے سبب سے حیوانات کی قالب میں آئی ہیں۔ لیکن دونوں روحوں کا مختلف ہونا ظاہر ہے۔ کہ انسانی روحیں عاقل و ناطق ہیں لیکن حیوانی روحیں ایسی نہیں۔ دوم یہ کہ اگر بلّی میں مثلاً انسانی روح ہے تو انسانی قالب میں اس کو چوہا کھانے سے نفرت تھی۔ تو پھر یہ کیوں کر ممکن ہے کہ بلّی کی قالب میں وہی چوہا کھانے سے نفرت کرنے والی روح یک دم اپنی فطرت نفرت چھوڑ کر چوہے کے پیچھے دوڑنے پر آمادہ ہوگئی۔ یہ فوری انقلاب فطرت نامعقول ہے جس سے معلوم ہوا کہ حیوان کی روح جداگانہ فطرت رکھتی ہے جو انسانی روح سے مختلف ہے۔ اس لیئے تناسخ غلط ہے۔

جب مجازاۃ اعمال کی دو شکلیں صرف روحانی معاد اور تناسخی چکر باطل اور نامعقول قرار پاگئیں تو حق شکل مجازاۃ کی ایک باقی رہ گئی۔ وہ یہ کہ مُردوں کے ذرّات بدن کو مجتمع کر کے بدن تیار ہو۔ اور ان میں ان کی روحوں کو ڈال کر زندہ کر کے مجازات اعمال کے لیئے عدالت الٰہیہ میں پیش کر کے دوزخ وجنت کی شکل میں ان پر قانون مجازاۃ کو نافذ کیا جاتے۔ جو نہ صرف بلحاظ نقل تمام شرائع سماویہ اور انبیاء کرام کے تواتر سے ثابت ہے۔ بلکہ عقل و فلسفہ کے لحاظ سے بھی موزوں و معقول ہے اور اس میں کوئی استبعاد نہیں۔ بظاہر اسلامی مجازاۃ کی یہ صورت اگرچہ ظاہر بین حضرات کی نگاہ میں دشوار یا مستبعد نظر آتی ہے لیکن حقیقت پر نگاہ ڈالنے کے بعد اس میں کوئی استبعاد نہیں۔ (باقی)

سید صباح الدین عبدالرحمان صاحب

اسلام اور مستشرقین

فوائد زیادہ یا نقصانات ؟

مستشرقین مغرب کے کردار اور علمی کاوشوں سے اسلام کو فائدہ زیادہ پہنچا یا نقصانات؟ اس موضوع پر حسب ذیل گرانقدر مضمون میں دونوں پہلوؤں کا جائزہ لیا گیا ہے عالم اسلام کے معروف چار سکالروں ڈاکٹر حسین ہرادی مصری، ڈاکٹر ذکی مبارک مصری شاہ معین احمد ندوی اعظم گڑھ اور جناب سید صباح الدین عبدالرحمان مدیر معارف اعظم گڑھ کے وقیع خیالات کو یہ مضمون سمیٹے ہوئے ہے۔ اور دعوت فکر دے رہا ہے۔ "ادارہ"

کسی زمانہ میں ہندوستان اور مصر میں یہ بحث چل رہی تھی کہ مستشرقین کی علمی سرگرمیوں سے مسلمانوں کو فائدہ پہنچ رہا ہے یا نقصان، ایک گروہ کہتا ہے کہ ان کی زہر چکانیوں سے شدید نقصان پہنچا اور پہنچ رہا ہے، دوسرا گروہ ان کی علمی سرگرمیوں سے مرعوب تھا وہ کہتا کہ ان سے نقصان کم، فائدہ زیادہ پہنچا، مصر میں ان متضاد خیالات پر دو اہم مضامین نکلے، ایک تو ڈاکٹر حسین ہرادی اور ایک ڈاکٹر ذکی مبارک کا تھا۔ اول الذکر نے ان لوگوں کی ترجمانی کی جو اس خیال کے تھے کہ مستشرقین کی ساری سرگرمیاں مسلمانوں کے لئے سراسر مضر ثابت ہو رہی ہیں — ان کے دلائل یہ تھے:

ان مستشرقین کے مباحث میں بہت سی خلاف عقل و قیاس باتیں نظر آتی ہیں، خصوصاً جو مذہب اسلام پر ہیں ان میں اسلام کی ایسی عجیب و غریب تصویر پیش کی جاتی ہے جسے کوئی مسلمان برداشت نہیں کر سکتا، مثلاً ارشل اپنی کتاب شادی میں لکھتا ہے کہ مصر میں اسلامی پردہ کا یہ اثر ہے کہ وہاں چودہ سال کی عمر کے بعد ماں بھی اپنی لڑکی کا چہرہ نہیں دیکھ سکتی، مگر اسی کتاب میں ایک دوسرے موقع پر یہ بھی ہے کہ مصر کی لڑکی اپنے چہرے کے علاوہ باقی جسم کے تمام حصوں کو مردوں کے سامنے عریاں کر سکتی ہے، اسی کتاب میں یہ بھی ہے کہ نعوذ باللہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) محض ایک زن پرست آدمی تھے۔ یہ مستشرقین مسلمانوں کے کسی ملک کی قدیم یا جدید تاریخ لکھتے ہیں تو محقق بن جاتے ہیں۔ لیکن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر قلم اٹھاتے ہیں تو وہ نہایت لغو، مہمل، ذلیل، رکیک بلکہ جھوٹے

باتیں لکھ جاتے ہیں، مثلاً ایک مستشرق کا خیال ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نعوذ باللہ ایک جنگی مذہب کے بانی تھے جس کو انسانی فضائل سے کوئی تعلق نہیں، مشہور پروفیسر مارگولیتھ نے اپنی کتاب تاریخ العالم میں یہ نادر تحقیق پیش کی ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) عبداللہ کے بیٹے ہیں، اور عبداللہ عرب میں اس لڑکے کو کہا جاتا تھا جس کا باپ لامعلوم ہو، بہت ممکن ہے، کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے باپ کا نام عبداللہ بھی اسی وجہ سے پڑا ہو، اسی طرح انسائیکلو پیڈیا آف اسلام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق نہایت دل شکن اور تکلیف دہ باتیں درج ہیں، لجنة العمل المغربی۔ اسلام کے متعلق خرافات کا ایک زہر چکاں مجموعہ ہے، اس کا اصل مقصد یہ ہے کہ شمالی افریقہ اور دوسرے اسلامی ملکوں میں جہاں کی مادری زبان عربی ہے، عربی کی اہمیت گھٹا کر وہاں کے باشندوں کو مقامی زبانوں کے زندہ کرنے کے دام میں پھنسایا جائے تاکہ وہ عربی زبان کو بھول کر قرآن کو نہ سمجھ سکیں، یورپ کی یونیورسٹیوں میں طلبہ کو مشرقی زبانوں کی تعلیم اس لئے دی جاتی ہے کہ وہ استعماری مشن اچھی طرح چلائیں، ان ہی میں سے کچھ مستشرقین بن جاتے ہیں، جن کا طریقہ کار یہ ہوتا ہے کہ پہلے وہ اپنے ذہن میں ایک نظریہ یا ایک خیال فرض کر لیتے ہیں، اس کے بعد اس کے اسباب تلاش کرتے ہیں، اگر قرآن میں ان کو کوئی ایسی شے مل جاتی ہے جو ان کے مفید مطلب ہے، یا اسے کھینچ تان کر اپنے مقصد کے مطابق بنا سکتے ہیں تو فوراً اسے لے لیتے ہیں اور اگر قرآن ان کے مقصد کو پورا نہیں کرتا تو یہ کہہ دیتے ہیں کہ قرآن میں ہے ہی نہیں۔

مثلاً انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کے چیف ایڈیٹر موسیو وینسنک نے اپنی غیر معمولی تحقیق سے یہ ثابت کیا ہے کہ قرآن کی مکی سورتوں میں کہیں یہ ذکر نہیں کہ ابراہیمؑ کعبہ کے معمار یا پہلے مسلمان تھے، ان میں ابراہیمؑ کی حیثیت محض ایک رسول کی ہے، جو دوسرے انبیاءؑ کی طرح اپنی قوم کو ڈرانے کے لئے مبعوث ہوئے تھے، ان سورتوں میں اسماعیلؑ کے ساتھ ابراہیمؑ کے کسی تعلق کا بھی ذکر نہیں۔

موسیو وینسنک لکھتا ہے کہ مدنی سورتوں میں یہ حالت بدل جاتی ہے۔ ابراہیمؑ حنیف مسلم اور ملت ابراہیمی کے بانی بتائے جاتے ہیں، جنہوں نے اسماعیلؑ کے ساتھ خانہ کعبہ کو بنایا۔ ان مفروضات سے یہ نتیجہ نکال کر گمراہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مکہ میں یہودیوں پر اعتماد کیا، لیکن جب وہ ان کے دشمن ہو گئے تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنی ذکاوت اور عقل سلیم سے ابوالعرب ابراہیمؑ کی ایک نئی شان پیدا کر دی۔ اس طرح اس زمانہ کی یہودیت سے گلو خلاصی حاصل کر کے ابراہیمؑ کی یہودیت سے جو اسلام کا منبع اور مولد ہے، رشتہ جوڑنا آسان ہو گیا، اور جب مکہ والوں نے ان کے پیغمبرانہ خیالات کو قبول کرنا شروع کر دیا تو اس وقت ابراہیمؑ اس مقدس شہر کے مقدس گھر کے بانی ہو گئے، وینسنک نے اپنی اس تحقیق میں بظاہر قرآن کی ایک ایک آیت کو پڑھ کر یہ رائے قائم کی ہے، لیکن اس کو حقیقت سے کوئی تعلق نہیں، اس نے اپنی اس تحقیق میں انتہائی خیانت اور بد دیانتی

سے کام لیا ہے، اور اس کذب صریح سے اس کا مقصد صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی تکذیب ہے، وہ نہایت بیباکی سے دعویٰ کرتا ہے کہ مکی سورتوں میں ابراہیمؑ کا ذکر معمار کعبہ کی حیثیت اور اسماعیلؑ کے ساتھ ان کے کسی تعلق کا ذکر نہیں ہے۔ اور مدنی سورتوں سے ملت ابراہیم کا ذکر شروع ہوتا ہے۔ لیکن یہ تینوں دعوے سراسر جھوٹ ہیں، سورۂ ابراہیم خود مکی ہے جس میں نہایت واضح طور پر کعبہ اور ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ کے تعلق کا تذکرہ موجود ہے۔ ابراہیم رکوع ۶ میں حضرت ابراہیمؑ کی زبان سے ہے: "خدا کا شکر ہے جس نے مجھ کو بڑھاپے میں اسماعیل اور اسحاق دیئے، میرا رب دعا کا سننے والا ہے" سورۂ انعام بھی مکی سورہ ہے، اس کے رکوع ۲۰ میں ملت ابراہیمی کا ذکر اس طرح ہے کہ وہی ٹھیک دین ہے جو ابراہیم کا دین ہے، جو ایک خدا کے ہو رہے تھے۔ اور مشرکین میں نہ تھے، اور پھر سورۂ نحل کی مکی سورہ میں ہے کہ ہم نے تمہاری طرف وحی بھیجی کہ ملت ابراہیم کی پیروی کرو، جو ایک خدا کے ہو رہے تھے۔ اور مشرکین میں نہ تھے۔ (انعام ع ۲۰)

ان صریح آیات کے بعد وینسنک نے جو کچھ لکھا ہے، وہ سراسر بددیانتی اور خیانت ہی پر مبنی ہے۔ یہ مستشرقین اسلام یعنی ملت ابراہیمی کو یہودیت سے ماخوذ بتاتے ہیں جو یہوداہ کی جانب منسوب ہے۔ لیکن یہوداہ ایک شخص تھا جو حضرت ابراہیمؑ سے سینکڑوں برس بعد ہوا ہے۔ پھر ظاہر ہے کہ ملت ابراہیمی یہودیت سے کیسے ماخوذ ہو سکتی ہے مستشرقین کے اس قسم کے خرافات اور غلط بیانات کی داد لوگوں سے ملتی ہے۔

یہ تو ان لوگوں کی ترجمانی ہوئی جو مستشرقین سے بدظن ہیں۔ اب ان لوگوں کے خیالات بھی سامنے آجائیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ مستشرقین سے نقصان سے زیادہ فائدہ پہنچتا ہے، اس کی ترجمانی مصر کے ڈاکٹر ذکی مبارک نے کی ہے۔

وہ لکھتے ہیں کہ اعتراض یہ ہے کہ مستشرقین مستعمرین کی فوج کا طلیعہ ہیں، اگر بالفرض وہ یہ ہیں تو یہ طریقہ صحیح نہیں کہ ہم ان مستعمرین کے دشمن بن جائیں، اور ان سے ہر طرح کے تعلقات منقطع کر لیں۔ اس کے بجائے ہم کو ان کے استعمار کے تدارک کے لئے ان کے علوم وفنون اور ان کے اسرار کا پتہ لگانا چاہئے۔ اور جس طرح وہ ہم پر وار کرتے ہیں ہم بھی ان پر وار کریں۔ یہ کہنا بھی صحیح نہیں کہ سارے مستشرقین دام استعمار کے حلقہ میں بعض ایسے مستشرقین بھی ہیں جو صحیح معنوں میں عالم کہلانے کے مستحق ہوتے ہیں، ان میں اگر استعمار کا جذبہ ہوتا بھی ہے تو ان کے علمی ذوق کی وجہ سے دب جاتا ہے۔ اور وہ مشرق کے شرف وعظمت کے بڑے نقیب اور اس کی تہذیب ومعاشرت بلکہ اس کے مذہب کے بڑے حامی بن جاتے ہیں، مثلاً بہت سے مستشرقین بصریوں اور کوفیوں کے صرفی ونحوی درس میں مشغول رہے ہیں، مصادر کے جمع اور ان کے نصوص وشواہد اور علمائے فن کے فیصلوں کی طبع واشاعت میں برسوں گذار دیئے ہیں۔ مختلف قبائل کی بولیوں اور ان کے لہجوں کے اختلاف کی تحقیق میں مدتیں صرف کی ہیں۔ بعض مستشرقین غلطیاں ضرور کرتے ہیں جو عموماً کسی متن کی شرح کے سلسلہ میں ہوتی ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ

عربی زبان کی باریکیوں اور اداؤں سے ناواقف ہوتے ہیں۔ ایسی غلطیاں موسیو ڈوزی نے نفح الطیب اور مارگولیتھ نے معجم الادباء کی تصحیح میں ضرور کی ہیں، لیکن ان دونوں نے ان دو اہم کتابوں کو شائع کرکے عربی زبان کی بڑی خدمت انجام دی ہے، یہ صحیح ہے کہ بہت سے مستشرقین اسلام کے متعلق ایسے خرافات لکھتے ہیں۔ کہ کسی طرح علماء اور محققین کے شایان شان نہیں، لیکن ان اعتراضات سے بعض مذہبی پہلوؤں کی خدمت بھی ہو جاتی ہے، انہوں نے اپنی اسلام دشمنی کے باوجود قرآن اور حدیث کے متعلقات پر نہایت عمدہ تالیفیں طبع کیں، ان کی فہرستیں بنائیں، ان کی بہتر سے بہتر ترتیب اور تبویب کی، موسیو ونسنک پر جا ہے جتنے اعتراضات کئے جائیں۔ اس نے حدیث نبویؐ پر اپنی تالیف سے اسلام کی بڑی خدمت انجام دی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ اس کتاب کی اشاعت میں حسن نیت شامل نہ تھا، پھر بھی غیر ارادی طریقہ سے اسلام کی خدمت ہوگئی۔ امریکہ اور یورپ میں آثار اسلامیہ کی اشاعت پر جتنا کام ہو رہا ہے، مسلمانوں کے ملکوں میں نہیں ہوا۔

افکار کی زندگی ان پر بحث و تنقید ہی میں ہے۔ مسلمان مخالف تنقید نگاروں کے شر سے خیر کے لئے استفادہ کر سکتے ہیں، اس بات کو کوئی کیسے نظر انداز کر سکتا ہے۔ کہ مستشرقین نے ہم سے تین صدی پہلے اسلامیات کا مطالعہ کرنا شروع کیا جس سے ان کی علمی تحقیقات ہر شعبہ میں پھیلی ہوئی ہیں۔ کس قدر شرم کی بات ہے کہ جامع ازہر کے اساتذہ کو چند برسوں پہلے تک اسلامی تاریخ پڑھانے کا ڈھنگ نہیں معلوم تھا، جامع ازہر کے ادبی کالج میں عربی زبان کے طلبہ کی تعداد اتنی نہیں ہے جتنی سار بن یونیورسٹی میں ہے، پیرس کی السنۂ مشرقیہ کی درسگاہ میں عربی کے اتنے مطبوعہ مآخذ ہیں کہ مصری دارالکتب میں ان کا نام بھی نہیں، یہ ضروری ہے کہ مستشرقین کے سامنے ان کے اپنے اغراض و مقاصد ہوتے ہیں، لیکن کون کہتا ہے کہ بے سمجھے بوجھے ان کی پیروی کی جائے اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ان کی کوششوں سے لغوی اور اسلامی درس میں زندگی پیدا ہوئی، دنیا میں کوئی چیز خالص خیر اور خالص شر نہیں ہوتی، لیکن مستشرقین کے کاموں میں نفع کا پہلو غالب ہے۔

شاہ صاحبؒ نے حضرت سید صاحبؒ کی فرمائش پر مصر کے دونوں مذکورۂ بالا فضلاء کے مضامین کی تلخیص کی، جو اپریل ۱۹۳۴ء کے معارف میں شائع ہوئی، اس کے شروع میں انہوں نے جو محاکمانہ رائے لکھی ہے، وہ ان دونوں مضامین سے کم نہیں، بلکہ بعض حیثیت سے ان سے اہم ہے، وہ لکھتے ہیں:

> "اس سیاسی دور میں جبکہ ہر کام اور ہر عمل کی تہہ میں کوئی نہ کوئی غرض پنہاں ہوتی ہے، مشرقیات اور اسلامیات کے متعلق مستشرقین کی تحقیقات کے قبول کرنے کا سوال نہایت اہم ہے، اس میں شبہ نہیں کہ بہت سے مستشرقین نے مسلمانوں کی بڑی خدمت کی، انہوں نے ساری ساری عمریں اسلامیات کی تحقیق میں صرف کر دیں، اور بڑی جانکاہ محنت اور

روحانی و مالی قربانی برداشت کرکے مسلمانوں کے علوم و فنون اور ان کی گذشتہ عظمت کو دنیا کے سامنے پیش کیا، ان کی نادر اور نایاب کتابوں کا پتہ چلایا، اور بڑی مشقت اور بڑے اخراجات برداشت کرکے انہیں حاصل کیا، اور نہایت اہتمام اور صحت کے ساتھ شائع کیا، ان پر حواشی لکھے ان کی شرحیں کیں، مختلف زبانوں میں ان کے تراجم شائع کئے، اسلامی موضوع پر نہایت بلند پایہ کتابیں تالیف کیں اور اسلامی علوم و فنون کی ہر شاخ پر نہایت وسیع لٹریچر فراہم کر دیا جو مسلمانوں کے لئے ممکن نہ تھا۔ ان کی ان اسلامی خدمات سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا، ان کی محنت و جانفشانی کی داد نہ دینا ظلم اور احسان فراموشی ہے۔ لیکن اسی کیساتھ جہاں اسلام کے متعلق ان کے افکار، خیالات اور تحقیقات کا تعلق ہے۔ خالص اسلامی نقطۂ نظر سے ان کے قبول کرنے کا سوال نہایت اہم ہے۔ اس لئے کہ اسلامی مسائل کے متعلق اپنی تحقیقات میں انہوں نے اب تک نیک نیتی کا کوئی ثبوت نہیں دیا ہے۔ یا تو وہ مشرقی روایات، مشرقی روایات، مشرقی مذاق اور اسلامی ذوق و نظر سے بیگانہ ہونے کی وجہ سے اسلامیات کے سمجھنے اور اس کے پیش کرنے میں نہایت فاش غلطیاں کرتے ہیں، یا عمداً وہ اسلام کو نہایت مسخ شدہ صورت میں پیش کرتے ہیں، بہر حال جو صورت بھی ہو ان کی یہ غلطیاں علم و فن کی خدمت اور تحقیق اور ریسرچ کے پردہ میں ہوتی ہیں، یہ زمانہ تحقیق اور ریسرچ کا ہے، اس لئے ان سے مسلمانوں اور غیر قوموں میں اسلام کے متعلق سخت گمراہیاں پھیلتی ہیں بلکہ یہاں تک کہا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں کو یونانی فلسفہ، عجمی دہریت اور ہندوی خرافات، کسی سے اتنا نقصان نہیں پہنچا جتنا ان محققین کی زہر آلود تحریروں سے پہنچا ہے۔ جس کے مظاہر آئے دن آج کل کے جدید تعلیم یافتہ نوجوانوں میں نظر آتے ہیں، اس لئے مذہب اسلام کے متعلق ان کی تحقیقات پر اعتماد کرنا سخت غلطی ہے "

شاہ صاحبؒ نے یہ ساری باتیں اب سے تقریباً پچاس سال پہلے لکھی تھیں، لیکن اس وقت سے اب تک بہت سے اور ایسے مستشرقین پیدا ہوتے چلے جا رہے ہیں، جو اپنی مناظرانہ تحریروں، مجادلانہ استدلالوں، گمراہ کن منطقیانہ مغالطوں، پھر تحریفات، تلبیسات، دور از کار قیاسات اور احتمالات سے معلومات کا سلسلہ پیدا کرکے اپنے تعصب کی چنگاریوں سے مستند معلومات اور واقعات کو جلانے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔ ٹامس کارلائل نے اپنے زمانہ کے ایسے مصنفین کے بارے میں لکھا تھا کہ ان کی تحریریں قطعاً ہماری روسیاہی کا خیال کئے بغیر وہ کذب و افترا سے بھری ہوئی ایسی اشتعال انگیز تحریریں لکھنے کے عادی ہو گئے ہیں کہ ان کے

لئے جہاد بالقلم کی بجائے جہاد بالسیف کا حکم جاری ہو تو کوئی تعجب کی بات نہ ہونی چاہئے، لیکن یہ بھی ملحوظ رہے کہ ان کی ایسی تحریریں ان کے احساس کمتری کا بھی نتیجہ ہیں، وہ اپنی عیسائیت کی فرسودگی اور کہنگی سے روز بروز کچھ ایسے مایوس ہوتے چلے جاتے ہیں کہ اسلام اپنی جاندار تعلیمات کی وجہ سے ان کے جسم میں کانٹے کی طرح چبھتا ہے۔ ان کو غیر شعوری طور پر احساس ہے کہ اسلام میں توحید، رسالت، ایمان پروری اور اخلاق کی اعلیٰ تعلیمات ہیں، وہ پھیلتی رہیں تو وصال مصطفویؐ افتراق بولہبی ہے، اور کہیں یہ مسلمان قسمت عالم کا کوکب تابندہ نہ بن جائے اور اس کی تابانی سے افسون سحر شرمندہ نہ ہوتی رہے، ان کا ہر فرد اپنی زبان حال سے یہ کہتا نظر آتا ہے کہ

ع ہر نفس ڈرتا ہوں اس امت کی بیداری سے میں

اس بیداری کو روکنے کے لئے جہاں یورپ کے ارباب سیاست نے اپنا سیاسی اور جنگی محاذ قائم کر رکھا ہے، وہاں مستشرقین نے اپنا علمی محاذ بھی کھول رکھا ہے جس میں تحقیقات کے نام پر ان کا حیلۂ افرنگی اور اور ان کی عقل کی روباہی زیادہ کام کرتی ہے، ان کے جوابی حملہ کے لئے ضرورت تو اس کی ہے کہ ان کے مذہبی عقائد و افکار پر اسی طرح جارحانہ ہلہ بولا جائے، مگر ان کو ہم پر یہ برتری اس لحاظ سے حاصل ہے کہ وہ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق جو چاہیں کہہ سکتے ہیں، مگر ہم ان کے پیغمبر علیہ السلام کے خلاف کچھ کہیں تو ہمارے ایمان اور اسلام کے اذعان میں خلل پڑتا ہے، اس کے علاوہ ان کی افترا پردازی کارٹ اور اس کے ابلاغ کے وسائل و ذرائع اتنے بڑھ چکے ہیں کہ ہم ان کا مقابلہ کامیابی کے ساتھ کرنا بھی چاہیں تو نہیں کر سکتے، مگر ان کا مقابلہ موثر طریقہ پر اس طرح ہو سکتا ہے کہ پوری ملت اسلامیہ کو اپنے اس بلند ذہنی تخیل پر جس کو ہماری اصطلاح میں ایمان کہا جاتا ہے، غیر متزلزل یقین اور اذعان پیدا ہو جائے، وحدت ایمان اور وحدت عمل کی ناقابل شکست قوت ہم میں برابر پیدا ہوتی رہے تو غیروں اور مستشرقوں کی زہر چکانی اور اسلام دشمنی ہم کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی، ہمارے لئے یہ بشارت ہے ؎

آج بھی ہو جو ابراہیمؑ کا ایمان پیدا آگ کر سکتی ہے انداز گلستاں پیدا

بقیہ ص ۱۴: پندرھویں صدی

اسلام کے لئے خدمت اور ان مسلمانوں کے لئے عزت و اعتماد کا راستہ کھل سکتا ہے۔ جو مخصوص سیاسی حالات، اور گذشتہ تاریخ نے اگر بند نہیں تو سخت دشوار گذار بنا دیا ہے۔

تاریخ انسانی بلکہ درحقیقت نسل انسانی کی اس نئی صدی کے آغاز میں ایسے مردان کار کی طرف ٹکٹکی لگی ہوتی ہے۔ جو نہ صرف اسلام بلکہ عصر حاضر کی ان ضرورتوں کی تکمیل کریں اور ایسے مجتہدانہ اور جرأت مندانہ اقدامات کریں جو تاریخ کے دھارے کو بدل دے، زمانہ کا حقیقت شناس، فراخ نظر اور کشادہ دل مورخ قلم ہاتھ میں لئے ہوئے اس انتظار میں ہے کہ وہ ان کارناموں کو سنہرے حروف سے لکھے اور ان کے انجام دینے والوں کو خراج عقیدت ادا کرے۔ ■

ایک یادگار
اور
مؤثر دُعا

نواب مولانا حبیب الرحمٰن خاں شیروانی، رئیس بھیکم پور اور صدر الصدور حیدر آباد عازم حج ہیں۔ سفر سے پہلے اپنے شیخ حضرت فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی کی خانقاہ میں حاضری دیتے ہیں۔ حضرت گنج مراد آبادی کے جانشین شاہ نیاز احمد کی خدمت میں دعا کی درخواست کرتے ہیں۔ اپنی نفیس شیروانی کے ساتھ شاہ صاحب کے قریب چبوترے پر بیٹھ جاتے ہیں اور شاہ صاحب ہاتھ اٹھا کر اس طرح دعا کرتے ہیں :۔

بارِ الٰہا ! یہ حبیب الرحمٰن خاں شیروانی تیرا ایک بندہ ناچیز ہے۔

بارِ الٰہا ! جب اس پر ناگزیر وقت آجائے، سانس اکھڑ رہی ہو تو اس کی امداد فرمائی جائے۔

بارِ الٰہا ! جب کفن پہنا کر اس کے تابوت کو لے چلیں تو اپنی رحمت کا سایہ اس پر ڈال اور گور کے خلوت خانہ میں حبیب الرحمٰن کو لوگ رکھ کر واپس آجائیں اور غریب وہاں تنہا رہ جائے تو اپنی رحمت اپنے کرم سے روشنی پیدا فرما۔ قوت بخش کہ نکیرین کے سوال وجواب میں یہ بے چارہ ثابت قدم رہے۔

بارِ الٰہا ! جب حشر کا میدان قائم ہو، اور بڑے چھوٹے پتنگوں کی طرح اِدھر اُدھر مارے پھرتے ہوں تو اُس وقت بیچارے حبیب الرحمٰن بھیکم پور والے کی دستگیری فرما۔ اس کے گناہوں کو بخش دے اور بجائے جہنم کے اس کو تیرے فرشتے جنّت کی طرف لے جائیں۔

(تعمیر حیات۔ از صدر یار جنگ)

لحمینا
توانائی بخش غذائی اجزا کا ایک
لطیف اور خوش ذائقہ مرکب جس میں
صرف شدہ توانائی اور کھوئی ہوئی
طاقت بحال کرنے کی تمام تر
خصوصیات ہیں۔
لحمینا کا مسلسل استعمال
آپ کو چاق و چوبند رکھتا ہے۔
لحمینا
ایک مکمل غذائی ٹانک
خاندان کے ہر فرد کے لئے
ہمدرد
Lahmina
an extremely effective concentrated essence of
fine and palatable herbs and nutritious elements
Hamdard
Adarts L 1/80
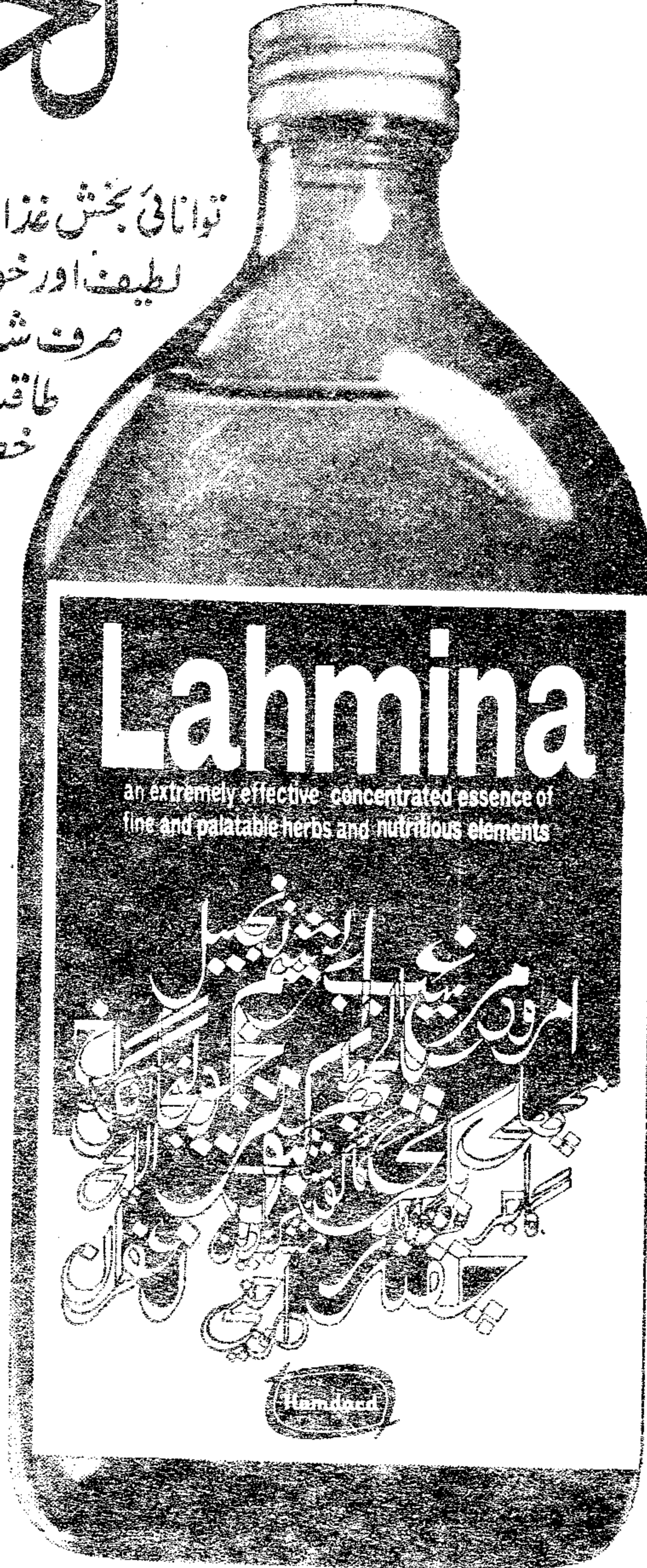
جناب ڈاکٹر محمد حنیف صاحب پی ایچ ڈی
پشاور یونیورسٹی

خوشحال خان خٹک کا خاندان
اور
سلوک و طریقت

پختون قوم کی تاریخ میں خوشحال خان خٹک (متوفی ۱۱۰۰ھ) کے خاندان کو اپنی گوناگون خصوصیات کی بنا پر نہایت نمایاں اور اہم مقام حاصل ہے۔ ایک طرف اگر نازک خیال شعراء اور نکتہ سنج ادبا کا سلسلہ اس خاندان کی ظاہری زیبائش کے لئے ایک زرّین تاج کی مانند ہے۔ تو دوسری طرف پاکباز صوفیاء و علماء کے زہد و تقویٰ نے اس کے معنوی حسن کو چار چاند لگا دیتے ہیں۔ سلوک و تصوف کے میدان میں اس خاندان نے جو قابل قدر کردار ادا کیا ہے وہ اس بات کا ایک ناقابلِ انکار ثبوت ہے۔ کہ سلاطین وقت کے ساتھ تعلقات اور امارت و سرداری کے منصب پر فائز ہونے کے ساتھ ساتھ اس خاندان کے افراد کا دیندار علماء صلحا کے ساتھ انتہائی گہرا ربط قائم تھا۔

تاریخی شواہد سے یہ بات ثابت ہے کہ شہباز خان خٹک (متوفی ۱۰۵۰ھ) ایک متدین شخص تھا اور دینی کاموں سے اسے بہت محبت تھی۔[1] وہ اپنے زمانہ کے مشہور خدا رسیدہ بزرگ حضرت شیخ رحمکارؒ (متوفی ۱۰۴۳ھ) کے خاص معتقدین میں شامل تھے۔ اور آپ کی ہدایات و احکامات کو بلا چون و چرا تسلیم کرتے تھے[2] حضرت شیخ رحمکار بھی ان پر بہت مہربان تھے۔ اور ان کے ساتھ تعلق و محبت کا یہ حال تھا کہ ایک بار آپ شہباز خان کی دعوت پر سرائے اکوڑہ بھی تشریف لے گئے تھے[3]

---

[1] خوشحال خان خٹک از دوست محمد خان کامل مرحوم مطبوعہ پشاور ۱۹۵۱ء صہ ۱۴۳۔ تاریخ مرصع از افضل خان (تصحیح و تعلیق دوست محمد خان کامل) صہ ۵۴۹۔ کلیات خوشحال خان خٹک (تصحیح و تعلیق دوست محمد خان کامل) مطبوعہ پشاور ۱۹۵۲ء صہ ۵۹۷

[2] مقامات قطبیہ از شیخ عبدالحلیم بن شیخ رحمکار مطبوعہ جنرل پرنٹنگ پریس دہلی ۱۳۱۸ھ ۱۹۲۶ء صہ ۱۷۲، ۱۷۶

[3] مقامات قطبیہ صہ ۱۷۳

شہباز خان کے بعد ان کے بیٹے بھی اپنے والد بزرگوار کے نقش قدم پر گامزن رہے اور حضرت شیخ رحمکار کے آستانِ فیض رساں کے ساتھ منسلک رہتے ہوئے ذرہ وار روحانیت کے اس خورشید درخشاں کے پاس ان کی آمد و رفت جاری رہی۔[۱]

خان موصوف کے عالم و فاضل فرزند ارجمند خوشحال خان خٹک حضرت شیخ رحمکار کے نہایت راسخ العقیدہ مرید تھے[۲] اور آپ کی خدمت گزاری میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھتے تھے۔ ان کے بھائی حضرت فقیر جمیل خان کا بیان ہے:

حضرت شیخ رحمکار کی آخری رات کو میرے بھائی خوشحال خان نے صاحب زادگان آں جناب سے اجازت طلب کی کہ میں آج رات جناب شیخ کی خدمت میں حاضر رہوں گا۔ انہوں نے اجازت دی۔ رات بھر وہ بیدار رہ کر خدمت میں حاضر رہے۔ صبح صادق کے وقت آپ اٹھے۔ خوشحال خان نے فوراً کوزہ بھر کر وضو کے لئے پیش کیا۔[۳]

آخری وقت میں حضرت موصوف نے ان کو نوازشات و عنایات سے سرفراز کیا اور دعائے خیر دیتے ہوئے فرمایا کہ:-

جو مشکلات تمہیں پیش آئیں گی اللہ تعالیٰ انہیں آسان کرے گا۔[۴]

خوشحال خان کہتے ہیں کہ

حضرت کے ساتھ آخری ملاقات کے وقت آپ کی نگاہ لطف و کرم کی شیرینی کا اثر ہمیشہ کے لئے دل میں باقی رہ گیا۔

پیر و مرشد کی وفات کے بعد بھی خوشحال خان کی عقیدت برابر قائم رہی اور اس میں ذرہ بھر فرق نہ آنے دیا چنانچہ ایک جگہ لکھتے ہیں۔

خاک بائے د شیخ رحمکار شم	میں شیخ رحمکار کی خاک پا ہوں
د خیل بلار د تربت ثار شم	اس سرزمین کو یہ شرف بھی ہے
چہ پکښے د شیخ مزار دے	کہ اس میں شیخ (رحمکار) کا مزار ہے

---

[۱] مناقب فقیر جمیل بیگ از میاں شمس الدین متوفی ۱۲۲۴ھ) مطبوعہ منظور عام پریس پشاور ۱۹۶۹ء ص ۱۰

[۲] حضرت شیخ رحمکار کے ساتھ اپنی عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے خوشحال خان کہتے ہیں

د خوشحال تکیہ پہ خدائے دہ	خوشحال کا آسرا صرف خدا ہی ہے
بیا پہ تا شیخ رحمکارہ	پھر تم ہو اے شیخ رحمکار (کلیات ص ۲۸)

[۳] تذکرہ شیخ رحمکار از سید سیاح الدین کاکاخیل مطبوعہ پنجاب الیکٹرک پریس لاہور [۴] خوشحال خان خٹک ص ۴۹

چه پکښې د شيخ ياران دي — وه پہاڑ گلستان ہیں
هغه غرونه گلستان دي[1] — جن میں شیخ (رحمکار) کے احباب رہتے ہیں۔

حضرت شیخ رحمکار، حضرت مولانا عبدالحکیم[2] اور حضرت شاہ اویس صدیقی ملتانی[3] جیسے یگانہ روزگار علماء و صلحاء کی صحبت اور علمی و روحانی فیوضات کی تاثیر تھی کہ خوشحال خان کو سلوک و طریقت کے ساتھ بہت گہرا لگاؤ رہا اور آپ کے اس صوفیانہ مذاق کا نتیجہ ہے کہ سلوک و تصوف کے بارے میں اپنے احساسات و جذبات کو نہایت دل نشیں اور مؤثر انداز میں بیان کیا ہے۔

چند نمونے درج ذیل ہیں:-

عشق يو څه عظيم بادشاه دي که ګورې
چه ګدائې ئې له سلطانه محتشم دي[4]

اگر دیکھو تو عشق وہ عظیم بادشاہ ہے کہ اس کے بھکاری سلاطین سے بھی زیادہ محتشم ہیں۔

د هوښيارو مجالس به درته هيڅ ښي که
د عشق د ليونيو په صحبت شې[5]

اگر ایک بار تجھے عشق کے دیوانوں کی صحبت نصیب ہوئی تو (پھر) داناؤں کی مجالس کو ہیچ سمجھنے لگو گے

ته د عشق سوارو ته سهل نظر مه کړه
چه بې زره بې لښکره لکه جم دي[6]

شہسواران عشق کو حقیر نظروں سے نہ دیکھو کہ وہ بے زور لشکر جاہ جمشید رکھتے ہیں۔

عشق خوشحال ورته يو هسې سبق ورکړه
چه ئې زړه د قال و قيل له درسه ستون شه[7]

عشق نے خوشحال کو ایک ایسا سبق پڑھایا کہ اس کا دل قال و قیل کے درس سے برگشتہ ہوگیا۔

د درويش تر زړه به نه رسي دا دواړه
آئينه د سکندر که جام د جم

آئینۂ سکندر ہو کہ جام جم یہ دونوں درویش کے دل کو نہیں پہنچتے۔

---

[1] خوشحال خاں خٹک صہ ۹۴ [2] ایضاً صہ ۴۰۲،۳،۲ [3] خوشحال خاں خٹک نے مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی متوفی ۱۰۹۹ھ کی صحبت سے فیض حاصل کیا تھا۔ اور حضرت شاہ اویس ملتانی کا شرف تلمذ بھی ان کو حاصل رہا۔ کلیات خوشحال خاں صہ ۸۹۷، ۸۹۹۔ خوشحال خان خٹک صہ ۲۵۲۔ رود کوثر از شیخ محمد اکرم مطبوعہ فیروز سنز لاہور ۱۹۵۸ء صہ ۴۴۳۔ حضرت شاہ اویس صدیقی ملتانی کے بارے میں خوشحال خاں لکھتے ہیں کہ ہمارے استاد شاہ اویس صدیقی ملتانی بہت بزرگ اور مقدس شخصیت کے انسان تھے۔ اور علوم ظاہری و باطنی دونوں سے بہرہ ور تھے۔ (دستار نامہ از خوشحال خان۔ اردو ترجمہ از خاطر غزنوی مطبوعہ غنی پرنٹرز پشاور ۱۹۸۰ء صہ ۵۰

[4] کلیات صہ ۴۰۳ [5] ایضاً صہ ۷۵۴ [6] کلیات خوشحال صہ ۴۰۸ [7] کلیات صہ ۹۸

د درویش و ته سرکوز د بادشاه نه دي
د اسمان ورمیږ لاهم دي ور ته خم
د درویش علم په درس په مکتب نه دي
تل نظر لري په لوح او په قلم
ما ته او ته دیوار شته غاړې غرونه
په درویش نه شرقه غرب ه دي یو سم

درویش کے آگے بادشاہ کا سر ہی نیچا نہیں۔
آسمان کی گردن بھی اس کے آگے جھکی ہوتی ہے۔
درویش کا علم درس اور مکتب کا نہیں۔
اس کی نظر ہمیشہ لوح و قلم پر ہوتی ہے۔
میرے اور تیرے لئے دیواریں نشیب و فراز و پہاڑ ہیں مگر درویش کے لئے مشرق و مغرب تک ایک جیسا ہموار میدان ہے۔

نه په نون دي نه په میم دي نه په جیم دي
کامل پاس په لام وهلي دي علم

نہ نون (ناسوت) پہ نہ میم (ملکوت) پر اور نہ جیم (جبروت) پر بلکہ کامل لام (لاہوت) کے او[پر] اپنا علم نصب کئے ہوتے ہے۔

چه ذره طلب د نمر کا نديځ خوشحاله
په همت مه شه ته هم تر ذرې کم[1]

اے خوشحال جب ذرہ طالب آفتاب ہے تو تو ذرے سے تو ہمت میں کم تر نہ ہو۔

خدا یه مه دې هسې ذکر
چه ئې خلق سرسرا که
د بود "لا" توره و کښلې
بود دغېلو یا دغوا که
درویشان د "لا" په توره
همیش لو د ما سوا که[2]

اے خدا اس قسم کا ذکر و فکر نہ ہو
جیسے لوگ بادی النظر (یا سرسری طور) پر کرتے ہیں۔
(درویش) "لا" کی تلوار بے نیام کئے ہوئے
(بظاہر) ریوڑ یا گائے چراتے ہیں (مگر درحقیقت)
یہ درویش "لا" کی تلوار سے ہمیشہ ماسوی اللہ کی کٹائی کرتے ہیں۔

زړه چه نه وي مبتلا
پر د سازه شي بلا
نه عاشق د صدقه شي
که زاهد دي که ملا

جو دل (ذکر و فکر میں) مشغول نہ ہو
اسے بلا کا سامنا کرنا پڑے
عاشق پر قربان ہو
خواہ وہ زاہد ہو یا ملا

---

[1] کلیات صہ ۱۹۴ [2] ایضاً صہ ۹۰۳

عاشق ہر زمان غزا کہ	عاشق "لا" کی شمشیر براں لئے
پہ تیرہ توره د "لا" [۱]	ہر وقت مصروف جہاد ہوتا ہے

خوشحال خان نہ صرف خود صوفیانہ مذاق رکھتے تھے بلکہ آپ نے واعظانہ اور ناصحانہ کردار بھی ادا کیا ہے وہ انسانوں کو کائنات اور نفس انسانی پر غور و فکر کرنے کی ترغیب دیتے ہوئے کہتے ہیں۔

راشه د غرور ه سترګې	آنکھیں کھول
د جهان ننداره ګوره	اور اس جہان کی سیر اور
چه نښائست لري په ستوریو	جیسے تاروں سے حسن بخشا گیا ہے
داسمان ننداره ګوره	اس آسمان کا نظارہ کر
د دې خپل وجود په باغ کښې	اپنے وجود کے باغ میں
په هر شان ننداره ګوره	طرح طرح کی سیر کر
په هر ګل وته نظر کړې	اور ہر پھول کو دیکھتے ہوئے
د باغوان ننداره ګوره [۲]	باغبان (حقیقی) کے جلوے بھی دیکھ

ایک اور جگہ فرماتے ہیں :۔

جهانونه څه لږ نه دي	جہاں کوئی تھوڑے نہیں
نه ئې نه وینې نادانه	مگر اے نادان تو انہیں دیکھ نہیں رہا
ګوره څو دي هسې مځکې	دیکھ ایسی کئی زمینیں ہیں
ګوره څو هسې اسمانه	اور ایسے کئی آسمان
واړه ځائې دي ستا په زړه کښې	جو سب تیرے دل میں سمائے ہوئے ہیں
اې تر عرشه لوئ انسانه	اے عرش سے بزرگ تر انسان
آئینه د زړه صیقل کړه	آئینہ دل کو صیقل کر
چه ئې اووینې ځانه	تاکہ انہیں دیکھ لو اے میرے پیارے
که دا ننداره وشي	اگر یہ نظارہ دیکھ لیا
جدا نه ئې له سبحانه [۳]	تو پھر تو خدا سے جدا نہیں

۱ کلیات ص ۲۰ ۲ کلیات ص ۴۸ ۵۸۰ ۵۵

خوشحال خان کو [illegible] ت کی ہر چیز میں خدا کی قدرت کا کرشمہ نظر آتا ہے اور جو لوگ کائنات کے ان لاتعداد دلائل کے باوجود خدا کی معرفت سے قاصر ہیں ان کی حالت پر تعجب کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں ۔

پہ ہر څہ کښې ننداره ہغہ مخ کړم — میں ہر چیز میں اس رُخ زیبا کا نظارہ کر رہا ہوں

چہ لہ ډیرې پیدائی ناپدید شنہ [1] — جو کثرت شہود کی وجہ سے نا مشہود ہو گیا ہے ۔

زہ حیران یم پہ دا خلقو نہ پوہیږم — میری سمجھ میں ان لوگوں کی حالت نہیں آرہی کہ حلق تک

تږي مري ولاړ تر حلقہ پہ دریا کښې [2] — دریا میں کھڑے پیاسے ہو رہے ہیں ۔

خوشحال خان کے بعد ان کی اولاد سے بھی بعض اپنے باپ کی روش پر قائم رہے چنانچہ ان کے فرزند اشرف خان متوفی ۱۱۰۹ھ بیجاپور (دکن) کے قید خانہ میں حضرت شیخ رحمکار کے بارے میں اظہار عقیدت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ

پہ دکن کښې پاړہ ونیشتہ چہ م دم کړ — مجھے ایک ایسے کالے ناگ (اژدھا) نے ڈسا ہے کہ دکن

زہ خوړلې اژدھا توري بلا یم — میں بھی کوئی ایسا سپیرا نہیں جو میرا علاج کر سکے ۔

زہ پہ بند د اورنګ نہ یم چہ بہ خلاص شم — میں اورنگ زیب عالمگیر کا قیدی نہیں

بندي کړي شیخ رحمکار زیړي کاکا یم [3] — دراصل مجھے شیخ رحمکار" زیڑی کاکا" نے قید کیا ہے

اشرف خان کے بھائی عبدالقادر خان (جو ۱۱۱۳ھ میں بقید حیات تھے [4]) ایک صاحب طریقت اور صاحب دل بزرگ اور طریقہ نقشبندیہ میں حضرت شیخ سعدی لاہوری کے ماذون وخلیفہ تھے [5]۔ عبدالقادر خان کے دل میں خدا کا حقیقی عشق و درد موجود تھا وہ کہتے ہیں کہ

دریغ نور غمونہ لرې شوې لہ دلہ — کاش! دوسرے غم دل سے دور ہو جائیں

یکښې غم د خپل اشنا وې تل تر تلہ [6] — (اور) صرف محبوب کے غم ہمیشہ ہمیشہ اس میں رہیں

ہغہ زړہ د عبدالقادرہ چہ مړہ وي — عبدالقادر! وہ دل جو مردہ (یعنی محبوب حقیقی کے ذکر

پہ کوګل د ننہ نہ دي د ساتلو [7] — وفکر سے خالی) ہو۔ وہ سینے کے پنجرہ میں رکھنے کے قابل نہیں ۔

عبدالقادر خان اپنی خاندانی روایات کے مطابق حضرت شیخ رحمکار کے بھی بے حد معتقد تھے کہتے ہیں کہ :۔

---

[1] کلیات ص ۷۹۹ [2] ایضاً ص ۵۰۴ [3] خوشحال خان خٹک نمبر ماہنامہ پشتو اپریل ۱۹۸۰، ص ۱۸۴ [4] پٹہ خزانہ (گنجینہ پنہاں) از محمد ہوتک مطبوعہ کابل ۱۳۴۲ - ۱۸۱۱ھ تصحیح وتعلیق عبدالحی حبیبی ص ۱۲۰ [5] پٹہ خزانہ ص ۱۲۲

[6] پٹہ خزانہ ص ۱۲۲ ۔ [7] پٹہ خزانہ ص ۱۲۲، ۱۲۴

هومره نه دي منقبت دشيخ رحمکار	شیخ رحمکار کی منقبت کی کوئی حد نہیں جو
چه ادا شي يا په کښل يا په گفتار	لکھنے اور بیان کرنے میں آ سکے۔
د نبي صاحب په فقر معزز وو	وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فقر سے متصف تھے
دخپل عصر فقراؤ کښي اعز وو	اور اپنے زمانہ کے تمام فقراء میں بہت معزز تھے
که اقوال که يې افعال که يې احوال وو	ان کے اقوال، افعال، احوال
د سنتو موافق دده کل چال وو[1]	اور ان کے طور وطریقے سب کے سب سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق تھے۔

مردوں کے علاوہ خوشحال خان کی بعض عورتیں بھی سلوک وطریقت میں معروف رہیں۔ جن میں "بی بی حلیمہ" اور "تاج بی بی" کے نام قابلِ ذکر ہیں۔

بی بی حلیمہ | بی بی حلیمہ خوشحال خان کی بیٹی اور عبدالقادر خان کی حقیقی بہن تھی۔ اپنے والد بزرگوار کی زندگی ہی میں مروجہ علوم حاصل کئے۔ اور بعد ازاں اپنے بھائی عبدالقادر خان کے ہاتھ پر بیعت ہو کر ان کی وساطت سے حضرت شیخ سعدی لاہوریؒ کے حلقہ مریدین میں شامل ہوئی۔ بی بی حلیمہ صوفی مشرب، قرآن کریم کی حافظہ اور عارفہ تھی اور عبدالقادر خان کے گھر پر درس و تدریس اور ارشاد و ہدایت کا اہتمام کر کے تادم آخر عورتوں کی اصلاح عقائد کا فریضہ انجام دیتی رہی[2]۔ بی بی حلیمہ کے صوفیانہ مذاق کے یہ دو شعر ملاحظہ ہوں۔

و هر چا وته چه گورم وا يره دي دي	جدھر دیکھتی ہوں وہی دکھائی دیتا ہے۔
د جمال په ننداره يې شادمان شوم	اس کے نظارہ ہائے جمال سے میں لطف اندوز ہوں
غير د فکرم له زړه نه رابهر شو	جب سے میں نے ماسوی اللہ کا خیال دل سے نکالا ہے
پر خليل و پر عدو باندې يکسان شوم[3]	دوست و دشمن دونوں میرے لئے یکساں ہو گئے ہیں

سلوک وطریقت میں "بی بی حلیمہ" کے درجہ کمال کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے۔ کہ وہ مثنوی مولانا روم اور مکتوباتِ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے حقائق و دقائق بیان اور حل کرتی تھی[4]۔

تاج بی بی | تاج بی بی کا انتقال ایمل خان کی شورش (۱۰۸۲۔۸۳ھ) کے ابتدائی دور میں ہوا۔ خوشحال خان خٹک اس کی وفات کے ذکر کے ذیل میں لکھتے ہیں:۔

میری نیک بخت بیٹی تھی۔ قرآن اور دوسری کتابیں پڑھتی تھی۔ اور اطاعت وعبادت میں مشغول رہتی تھی[5]۔

---

[1] خوشحال خان خٹک نمبر ص ۱۸۴ [2] پٹہ خزانہ ص ۱۸۰ [3] ایضاً ص ۱۸۲ [4] خوشحال خان خٹک ص ۲۳۹ [5] ایضاً ص ۲۳۵، ۲۳۹

خوشحال خان کے حقیقی بھائی حضرت فقیر جمیل بیگ رحمہ اللہ ایک فقیر طبع اور خدا رسیدہ بزرگ تھے۔ آپ نے دنیاوی کروفر اور عیش و تنعم کو خیرباد کہہ کر درویشانہ زندگی اختیار کی تھی۔ اور علم و عرفان میں آپ کو بہت بلند وارفع مقام حاصل تھا۔ مگر چونکہ بہت کم لوگ آپ کے علمی اور روحانی مقام سے واقفیت رکھتے ہیں۔ اس لئے اس مقالہ میں موصوف کے حیات و آثار پر قدرے تفصیل سے روشنی ڈالی جاتی ہے۔

آپ کا نام جمیل خان تھا۔ مگر آپ کے پیر و مرشد حضرت شیخ رحمکار از راہ پیار و محبت آپ کو "فقیر" کہہ کر

ے شہباز خان خٹک کے چار بیٹے تھے۔ خوشحال خان۔ حضرت فقیر جمیل بیگ۔ شمشیر اور میر باز (تاریخ مرصع صہ ۲۵۸) خوشحال خان اپنے بھائیوں کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ

یوم سکہ ورور دې چہ ئې لار دحق نیو لې	میرا ایک سگا بھائی ہے جو راہ حق پہ گامزن ہے۔
دوہ ورونہ ہم نور دي یو پہ نم دویم بې نم	دو بھائی اور ہیں جن میں سے ایک تو حیادار ہے اور
(کلیات خوشحال خان صہ ۵۹۹)	دوسرا بے حیا۔

شعر کے پہلے مصرعہ میں اپنے سگے بھائی حضرت فقیر جمیل خان کی حق پرستی اور حق طلبی کا ذکر کیا ہے۔ اور دوسرے مصرعہ میں اپنے دو سوتیلے بھائیوں یعنی شمشیر اور میر باز کی حالت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

یہ بات ثابت ہے کہ خوشحال خان اور حضرت فقیر جمیل بیگ آپس میں حقیقی بھائی تھے اور اپنے باقی دو بھائیوں سے عمر میں بڑے تھے۔ مگر خوشحال خان اور جمیل خان میں کون عمر میں بڑا تھا یہ بات پوری طرح واضح نہیں ہے اور اس بات میں مورخین اور تذکرہ نگار حضرات مختلف الرائے ہیں۔ جناب دوست محمد خان کامل مرحوم نے حضرت جمیل خان کو چھوٹا بھائی بتایا ہے (خوشحال خان خٹک صہ ۲۵۴) میاں محمد بادشاہ کاکاخیل مرحوم اور عبدالحلیم اثر بھی اسے چھوٹا بتاتے ہیں (نسب نامہ شیخ رحمکار (قلمی) صہ ۹ اور روحانی تڑون صہ ۵۸۷۔ جب کہ صدیق اللہ رشتین اور محمد سرفراز خان خٹک۔ جمیل خان کو خوشحال خان سے عمر میں بڑا خیال کرتے ہیں۔

پشتو ادب تاریخ مطبوعہ کابل ۱۹۴۹ء صہ ۴۸۔ بیر سباک از عقاب خٹک مطبوعہ حمیدیہ پریس پشاور ۱۳۸۴ھ صہ ۷۷۔ چونکہ شجرہ ہائے نسب کو ترتیب دیتے وقت معروف طریقہ یہ ہے کہ دائیں طرف بڑوں کے نام درج کئے جاتے ہیں اور اس کے بعد بالترتیب چھوٹوں کے نام نواب محمد حیات خان اور شیر محمد خان گنڈہ پور نے دونوں حضرت جمیل خان کو دائیں جانب درج کیا ہے۔ (خورشید جہان (فارسی) مطبوعہ اسلامیہ پریس لاہور ۱۸۹۴ء صہ ۲۴۱ حیات افغانی انگریزی ترجمہ صہ ۲۰۷) جس سے اس بات کا عندیہ ملتا ہے کہ مذکورہ دونوں حضرات بھی حضرت فقیر جمیل کو خوشحال خان سے عمر میں بڑا سمجھتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

مخاطب فرماتے۔ اس لئے "فقیر" کے نام سے مشہور ہوئے[۵]۔ اور آج کل "فقیر صاحب" اور "فقیر بابا" کے نام سے یاد کیے جاتے ہیں۔

---

[۵] ملاحظہ ہو۔ دل تذکرۃ الاولیاء (قلمی) از فقیر جمیل خان کتب خانہ پشتو اکیڈمی پشاور یونیورسٹی ص ۸۔ حضرت فقیر خان اپنے اسم محضہ (جمیل خان) کے علاوہ اور کئی ناموں سے یاد کیے گئے ہیں۔ مثلاً تاریخ پشاور کے مؤلف گوپال داس نے آپ کو فقیر جمال بیگ کے نام سے ذکر کیا ہے۔ (تاریخ پشاور ص ۴۳۴) حیات محمد خان، شیر محمد خان گنڈہ پور اور صدیق اللہ رشتین نے آپ کا نام جمال خان بتایا ہے۔ (حیات افغانی انگریزی ترجمہ ص ۲۰۰، خورشید جہان ص ۲۴۱۔ د پشتو ادب تاریخ ص ۴۸) مگر یہ محض سوء تفاہم کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ حضرت فقیر جمیل بیگ کے اپنے ہی بیان سے ان کے قول کی تردید ہوتی ہے۔ مجمع البرکات کے مصنف سید عبداللہ شاہ نے آپ کو شیخ جمال الدین اور خواجہ جمال الدین کے نام سے بھی یاد کیا ہے۔ اور غالباً یہی وجہ ہے کہ بعض حضرات کو اس بارے میں اشتباہ ہو گیا ہے اور فقیر جمیل بیگ اور خواجہ جمال الدین کو الگ الگ اشخاص ظاہر کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو تذکرہ صوفیائے سرحد از اعجاز الحق قدوسی مطبوعہ لاہور ص ۳۱۳، ۴۷، ۳۱۷، ۳۱، ۸، ۳۱) اس غلط فہمی کو رفع کرنے کے لئے تاریخ بدر جہاں کے مصنف میاں محمد بادشاہ مرحوم کا بیان ہماری رہنمائی کرتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ

مجمع البرکات کے مصنف نے خواجہ جمال الدین کے حالات اور مناقب و فضائل کو ایک الگ باب میں بیان کیا ہے۔ جس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جمال الدین سے مراد وہی بزرگ ہیں جو "فقیر بابا" کے نام سے مشہور ہیں۔ جن کا نام جمیل خان یا جمیل بیگ تھا اور خوشحال خان کے بھائی ہیں۔ (تاریخ بدر جہاں قلمی جلد ا ص ۲۲۳، ۲۱۹)

راقم الحروف کے نزدیک جس طرح آپ کے ایک اور مرید شاہ عبداللطیف بلخی کمال الدین کے لقب سے مشہور ہیں۔ اسی طرح حضرت فقیر بابا اپنے علم و فضل اور روحانی کمال کی وجہ سے "جمال الدین" کے لقب سے ملقب تھے جمیل خان آپ کا اسم محضہ تھا۔ اور "خواجہ اور شیخ" سلوک و تصوف میں آپ کے درجہ کمال پر دلالت کرتے ہیں "میاں" کا اضافہ آپ کی نیکی اور تقویٰ کے پیش نظر عزت و احترام کی خاطر کیا گیا ہے۔

"بیگ" اور "خان" تقریباً ہم معنی الفاظ ہیں۔ اور اس کے اضافہ یا کمی سے اگرچہ کسی نام کی اصل حقیقت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ مگر حضرت فقیر جمیل خان ایک درویش بزرگ تھے۔ اس لئے دنیا کو ترک کر دیا تھا۔ اور ان دونوں الفاظ سے بھی غالباً اس کو دنیا داری کی بو آتی تھی۔ اس لئے اپنے نام کے ساتھ "بیگ" و "خان" کے استعمال کرنے سے احتراز فرمایا ہے۔ واللہ اعلم

حضرت فقیر جمیل صاحب، حضرت شیخ رحمکار کے خاص مرید و مقربین میں سے تھے[1] پیر و مرشد نے آپ کو بے حد نوازشات سے سرفراز فرمایا تھا[2] اور طریقہ چشتیہ میں آپ کے خلیفہ ماذون تھے۔ آپ علاقہ خٹک کے مشہور اولیاء اللہ میں سے ہیں۔ اور طریقت و عرفان میں درجہ کمال پر فائز تھے[3]

حضرت فقیر صاحب کی پرورش ایک امیر گھرانے میں ہوئی تھی۔ اور ابتدا میں بڑی ٹھاٹھ باٹھ کی زندگی بسر کرتے تھے۔ ۱۰۵۰ھ تک آپ یوسف زئی قبیلے کے ساتھ میدانِ جنگ میں قتل و قتال میں مصروف نظر آتے ہیں۔ مگر اس کے بعد یک دم آپ کی زندگی میں ایک ایسا انقلاب رونما ہوتا ہے جس سے آپ کی زندگی کی کایا پلٹ جاتی ہے۔

۱۰۵۱-۵۲ھ میں شاہ جہان (۱۰۶۹ھ) جگت سنگھ کی مہم کے سلسلہ میں لاہور آئے تھے۔ ایک طرف خوشحال خان سلامی کے لئے لاہور روانہ ہوئے تو دوسری طرف حضرت فقیر جمیل خان شہنشاہ حقیقی کی رضا کے حصول کی خاطر گھر بار چھوڑ کر اپنے اہل و عیال کے ہمراہ صحرا کی جانب چل دئے۔ اور جا کر پہاڑوں میں اکوڑہ ریلوے سٹیشن سے جنوب کی جانب تقریباً تین میل دور "چشمی" کے مقام پر قیام پذیر ہوئے[4]

آپ ہر وقت حضرت شیخ رحمکار کی خدمت میں حاضر رہتے۔ ابتدا ءِ حال میں چونکہ مستی اور جذبہ کا غلبہ تھا اس لئے دیوانہ وار صحرا اور پہاڑوں میں پھرتے رہتے۔ تذکرہ نگاروں نے اس دور کے بہت سے ایسے واقعات نقل کئے ہیں جن سے آپ کے مستانہ اور مجذوبانہ کیفیات کا اندازہ ہوتا ہے[5]

لوگ آپ کی یہ مجذوبانہ حالت دیکھ کر کہتے تھے کہ دیوانہ ہوگیا ہے۔ مگر حضرت شیخ رحمکار آپ کے اس جذبہ، ذوق و شوق اور حالت دیوانگی کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے۔ اور فرمایا کرتے تھے کہ

"اگر ہمچوں یک دو دیوانہ دیگر ہم بودے"[6]

(کیا اچھا ہوتا) اگر اس جیسے ایک دو دیوانے اور ہوتے۔

فقیر صاحب سماع کے بہت دلدادہ تھے۔ آپ کے چشتیانہ اوضاع سے بددل ہو کر ایک بار آپ کے بیٹے آپ کو مناظرہ کے لئے "قاضی نہکال منہ خیل کے پاس لائے۔ قاضی موصوف آپ کی مجذوبانہ کیفیات دیکھ کر بہت متاثر ہوئے اور حکم دیا کہ اس کو اپنے حال پر چھوڑ دو کیونکہ یہ "مُوتُوا قبل ان تموتوا" کے مرتبہ میں ہے[7] (باقی)

---

[1] مقاماتِ قطبیہ ص ۱۷۷، ۱۷۹، ۱۷۰۔ کلیاتِ خوشحال خان حاشیہ ۵۹۹ خوشحال خان خٹک از دوست محمد خان ص ۴۰، ۲۵۲

[2] مقاماتِ قطبیہ ص ۱۷۰، [3] نسب نامہ شیخ رحمکار قلمی از میاں محمد بادشاہ مرحوم ص ۹ [4] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تاریخ مرصع تصحیح و تعلیق دوست محمد خان کامل مرحوم ص ۵۹۸ [5] ملاحظہ ہو تحفۃ الاولیا از مولوی میر احمد شاہ پشاوری مطبوعہ مفید عام پریس پشاور ۱۳۲۱ھ ص ۳۱، ۳۴ [6] دل تذکرۃ الاولیا قلمی ص ۳ [7] تحفۃ الاولیا از مولوی میر احمد شاہ پشاوری ص ۳۳

لسان الغیب حافظ شیرازی

ترجمہ و تشریح جناب محمد مصطفیٰ۔ کراچی

حافظ شیرازی کا ایک نعتیہ کلام
اور
اُس کی شرح

نعت النبیؐ البشیر صلی اللہ علیہ وسلمؐ

خسروا گوئے فلک درخم چوگان تو باد   ساحت روئے زمیں عرصۂ میدان تو باد

ترجمہ۔ اے بادشاہ! آسمان کی گیند آپ کے چوگان کی زد میں رہے اور تمام روئے زمین آپ کی جولانگاہ کا میدان بنے۔ بادشاہ کے تفریحی مشاغل میں چوگان بازی بھی داخل ہے۔

گیند مدّور ہوتی ہے۔ اور میدان میں متحرک کی جاتی ہے۔ آسمان بھی مدور ہے اور متحرک۔ اس لئے خواجہ اپنے غلامانہ عاشقانہ انداز میں دعا کرتے ہیں۔ کہ آسمان کی حرکات و سکنات حضورؐ کے اشارہ پر رہیں۔ اور تمام روئے زمین حضورؐ کا میدانِ عمل بن جائے۔ یعنی دنیا کے طول و عرض میں تمام برّاعظم و بحرِاعظم آپ کی صدائے توحید سے گونج اٹھیں۔ اور یہ سب مہم جہادِ اصغر ہو یا جہادِ اکبر حضورؐ کے لئے باعث راحت و فرحت ہے۔ وہاں اگر اعلاء کلمۃ اللہ ہے اور جام شہادت پینے والے احیا عند ربہم کی حیات طیبہ سے مشرف ہیں۔ تو یہاں قرّۃ عینی فی الصّلاۃ اور اَرِحنا یا بلال کی آواز راحت فزا ہے۔

اسی بنا پر خواجہ نے ان تمام اشغال کو چوگان بازی سے کہ موجب فرحت و تفویت ہے تعبیر کیا۔ کیا کہنا اس بلاغت کا اور کیا کہنا اس کے لطف و کرم کا جس نے انسان کو علمہ البیان کے احسان سے نوازا۔ سبحان اللہ و بحمدہٖ

زلفِ خاتونِ ظفر شیفتۂ پرچمِ تُست   دیدۂ فتح ابد عاشقِ جولانِ تو باد

حضورؐ کا پرچم علم جو میدانِ جہاد میں لہرا رہا ہے اتنا حسین ہے کہ خاتون ظفر کی زلف اُس پر فریفتہ ہے اور فتح دائم کی آنکھ حضورؐ کی جولان گاہ پر عاشق ہے۔

حضور علیہ السلام مظفر و منصور و مؤید من اللہ ہیں۔ حضورؐ طالب مولیٰ ہیں اور مولیٰ ان کا اور "من لہ المولیٰ فلہ الکل"، اس لئے فتح و ظفر خود ان پر عاشق ہے۔ عاشق اپنے معشوق کی معیّت چاہتا ہے۔ پس جہاں حضورؐ علم جہاد نصب کر دیتے ہیں ظفر کی زلفیں اس کے پرچم کی بلائیں لیتی ہیں اور جس کارزار میں نقل و حرکت فرماتے ہیں فتح دائم کی آنکھیں

عاشقانہ انداز میں اس سے جالگتی ہیں۔ تو جب فتح و ظفر لازم حال و ملازم حضورؐ ہے تو ناممکن ہے کہ حضور ہوں اور فتح و ظفر نہ ہو۔

یہ ملحوظ رہے کہ پرچم زلف جیسا ہوتا ہے اور ابریشم سیاہ کا اور زلف جو باعث شیفتگی ہے خود پرچم نبوی پر شیفتہ ہے اور زلف بھی کسی معمولی خاتون کی نہیں بلکہ ظفر کی جو سب خواتین کی محبوبہ ہے۔

اے کہ انشائے عطارد صفت کوکبِ تست   عقلِ کل چاکرِ طُغرا کش فرمان تو باد

حضور کا کوکب اقبال عطارد کی طرح احکام لکھتا ہے اور جناب جبریل فرامین عالیہ پر طغرا کشی کی خدمت انجام دیتے ہیں۔ عطارد یا بہرام کو اہل نجوم منشی فلک کہتے ہیں۔ نجوم کی تلمیح یہاں شاعرانہ انداز میں بیان کی گئی ہے شعرا بعض ایسی تلمیحات بیان کر دیتے ہیں جو اگرچہ شریعت میں معتبر نہیں تاہم عرفاً مشہور و مقبول ہیں۔ اور اس لئے سامع کے ذہن میں دلچسپی سے اتر جاتا ہے۔ مثلاً یہ مضمون کہ ظالم کا قتل اور ضبط مال کبھی مستحسن ہوتا ہے شیخ سعدی اس طرح سمجھاتے ہیں ؎

دل آزار را بُردہ بہ خون و مال   کہ از مرغ بد کندہ بہ پر و بال

حالاں کہ شریعت کی نگاہ میں مرغ منحوس نہیں۔

پہلے دو شعروں میں حضور پر نور کی شیریں کاری امور ظاہری میں بیان کی گئی تھی۔ اس شعر میں حضور کی سطوت و عظمت جو باطنی امور میں تصرف فرما ہے اس کا نقشہ ہے۔ یعنی دبیر فلک تو ہے آپ کا اقبال اور فرامین پر طغرا کشی کی خدمت پر جبرئیل علیہ السلام کا مامور ہونا یہ ہے حضور کا جلال (اللہم عظمہ و شرفہ و کرمہ فی الدنیا والبرزخ والآخرۃ واعطہ المقام المحمود)

جلوہ گاہ طاہر طوبیٰ قدچوں سرو تو شد   غیرت خُلد بریں ساحت ایوان تو باد

حضور کے دولت خانہ پر بہشت کو رشک ہے جس میں آپ کا سرو جیسا قد فرشتوں کی زیارت گاہ ہے۔

کیونکہ وہاں بہشت ہے یہاں ایوان خاتم الانبیاء۔ وہاں طوبیٰ ہے یہاں محبوب رب اعلیٰ ع

بہ بیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

نہ بتنہا حیوانات و نباتات و جماد   ہر چہ در عالم امر است بفرمان تو باد

جمادات و نباتات و حیوانات ہی نہیں بلکہ تمام عالم امر میں ملائکہ اور ارواح شامل ہیں۔ اور عالم خلق میں جمادات و نباتات و حیوانات داخل ہیں۔ جماد اس جسم کو کہتے ہیں جس میں قوت نامیہ نہ ہو اور نبات وہ ہے جس میں نامیہ تو ہے لیکن حرکت ارادی نہیں اور حیوان وہ ہے جس میں حرکت ارادی بھی ہو تو پھر حیوان یا ناطق ہے مثلاً انسان یا مطلق و صامت ہے مثلاً بکرا، بلی

خصائص کبریٰ۔ مواہب لدنیہ۔ شفائے عیاض اور صحیح بخاری ومسلم سے یقینی طور پر ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزے تمام اقسام عالم میں ہوئے۔ افلاک کائنات الجو۔ کوہ وشجر وحجر۔ ملائکہ وجن وکفار وحیوان، آب وآتش وخاک وباد سبھی معجزات خاتم الانبیاء کے مظہر بنے۔

شق القمر، لرزہ کوہ احد، انگشتان مبارک سے پانی کے فوارے جاری ہونا۔ درخت کا سلام کرنا۔ کنکریوں کا تسبیح پڑھنا۔ آفتاب کا غروب کے بعد واپس آجانا۔ یہ سب اہل تحقیق پر اظہر من الشمس ہو گیا۔ ستون حنانہ کا فراق نبی میں رونا۔ تمام منصف اہل علم نے سن لیا۔ فرشتے غزوات میں حاضر ہوتے۔ جنّ مسلمان ہوئے۔ شیر کا حضور کے غلام کا ادب کرنا۔ سخت خشک سالی میں حضور کی دعا سے لگاتار بارش ہونا۔ اور پھر دعا کرنے پر مطلع بالکل صاف ہو جانا۔ یہ سب واقعات علمی تنقید کی کسوٹی پر کھرے ثابت ہوئے ہیں۔

اس غزل میں "باد" جو دعائیہ ہے بُود کا (اور وہ مضارع ہے بودن کا) اور ردیف واقع ہوا ہے تحصیل حاصل کے لئے نہیں بلکہ تائید کے واسطے ہے۔ اور اگرچہ کمالات بجوئی، کار و بہ زوال نہ ہونا یقینی ہے تاہم کلمہ دعائیہ ناظم کے جذبہ فرط محبت کو ظاہر کرتا ہے، اللہم زد فزد۔

ہمہ آفاق گرفت و ہمہ اطراف کشاد   صیت خلق تو کہ پیوستہ نگہبان تو باد

آپ کے اخلاق کے آوازہ نے جو ہمیشہ آپ کے محافظ رہے۔ تمام اطراف عالم کو مسخر و فتح کر لیا۔

حضور کا اخلاق قرآن ہے۔ اور تخلق باخلاق اللہ حضور کی شان ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اخلاق الٰہی محافظ ہیں۔ حضور کے اخلاق فاضلہ مسلمان تو مسلمان، منصف مزاج، کافروں نے بھی تسلیم کر لئے اور اس اخلاق کی تلوار کا لوہا بڑے بڑے سرکشوں نے مان لیا۔

قرآن پاک نے حضور کی نعت انک لعلیٰ خلق عظیم کو کس تاکید وتقویت سے بیان کیا۔ کہ انّ بھی ہے لا تاکید بھی ہے اور خلق عظیم بھی اور ورفعنا لک ذکرک کی عالمگیر ثنا وصفت کا خلعت بھی عطا فرمایا۔

کفار سے جنگ میں دندان مبارک شہید ہونے پر حضور نے بد دعا کی۔ اللہم اہد قومی فانہم لا یعلمون کی دعا کی۔ یہ دعا ہدایت کی ہے۔ جو سب سے افضل ہے اور قومی میں ی تحببہ ہے۔ جو محبت پر دلالت کر رہی ہے۔ پھر ان کی لاعلمی کو ان کی طرف سے معذرت میں بھی اور بسبب تقاضائے ہدایت میں پیش کیا۔ یہ ہے مثل اخلاق، بے عدیل اوصاف۔

حافظ خستہ باخلاص ثناخوان تو شد   لطف عام تو شفا بخش ثناخوان تو باد

یہ بیمار حافظ مخلصانہ طور پر آپ کا مدّاح ونعت گو ہوا۔ خدا کرے آپ کا لطف عام آپ کے مدّاح کا شفا بخش ہو ــــ خستہ یعنی مریض وزخمی وعاشق۔ یہ مرض محبت کا ہے۔ جو ہجر میں زار ونزار کر دیتا ہے۔ اور

مولانا محمد عمر چمکنیؒ ۔ فرائد قاسمیہ کی اشاعت آپ کا پرچہ ایک معیاری پرچہ ہے۔ میں معذور ہوں ورنہ کل پرچہ خود پڑھتا۔ اور آپ کو اپنا کوئی مقالہ بھی بھیجا کرتا۔ الحق میں مولانا محمد عمر چمکنیؒ کے حالات پر مشتمل جو مضمون شائع ہوا ہے وہ بڑا قیمتی اور معلومات افزا ہے۔ پڑھوا کر سنا۔ معلوم نہیں کہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے جو مکتوب گرامی حضرت مولانا محمد عمر پشاوری کو بھیجا ہے وہ خانقاہ میں موجود ہے یا نہیں ؟ شاہ صاحب ایک مکتوب الیہ کی حیثیت سے میں مولانا محمد عمر کے حالات بھی شامل کروں گا۔ اگر مضمون نگار نے اس خط کا ذکر نہیں کیا تو میں اس خط کا خلاصہ بھیج دوں گا۔

اولیائے سرحد مولانا محمد عمر کے حالات میں نے سن لئے ہیں۔ آپ کے مضمون نگار نے بہت تفصیل سے ان کا تذکرہ لکھا اور ان کی تصانیف پر بھی سیر حاصل بحث کی۔ مگر کتب خانہ رامپور کا ذکر مولانا کی ایک کتاب کے ضمن میں کیا ہے۔ اس میں صاحب کتب خانہ کا نام غلط لکھا گیا ہے۔ یہ حضرت مولانا محمد شاہ محدث رامپوریؒ کے پوتے قاضی سید احمد شاہ کا گذشتہ رمضان میں انتقال ہو گیا۔ یہ میرے ملنے والے تھے۔ آخری کتاب جو میں نے اس کتب خانہ میں دیکھی وہ مولانا محمد عمر کی وہ کتاب ہے جس کا آپ کے مضمون نگار نے ذکر کیا ہے۔ خوشخط لکھی ہوئی یہ کتاب حضرت آدم بنوریؒ اور ان کے خلفاء اور خلفاء کے خلفاء کے حالات پر مشتمل ہے اس کا جتنا حصہ میں نے دیکھا تھا اس کا خلاصہ اپنی کاپی میں درج کر لیا تھا۔ اس کا نام خلوا هو السرائر ہے تمنا ہے کہ کبھی پوری کتاب سن لوں اور آنکھ بننے پر خود مطالعہ کروں۔ فوائد قاسمیہ بھیج رہا ہوں یہ کتاب حضرت نانوتویؒ کے نادر مضامین کا مجموعہ ہے۔ اب تک چھپی نہیں۔ دعا کریں کہ جلد اور نادر مخطوطات بھی جو حضرت نانوتویؒ اور ان کے تحذیر الناس سے متعلق ہیں جلد شائع ہو جائیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے مکتوبات کے دو مجموعے بھی جو نادر ہیں قریب قریب مرتب ہو چکے ہیں۔ ان کے شائع کرنے کے لئے دعا کریں۔ (مولانا) مفتی نسیم احمد فریدی امروہوی امروہہ انڈیا)

الحق: مراسلہ نگار برصغیر کے نامور محقق سکالر اور صاحب علم و عرفان بزرگ ہیں۔ اس خط میں سب سے بڑی خوشخبری فرائد قاسمیہ کی اشاعت کی ہے۔ جس کا قلمی نسخہ مجھے پچھلے سال سفر دیوبند کے دوران امروہہ میں حضرت مفتی صاحب مدظلہ نے دکھایا تھا۔ دل برابر اس کی اشاعت کی طرف لگا ہوا تھا اور اب حضرت مفتی صاحب کی عنایت سے مطبوعہ شکل میں بھی فردوس نظر بن چکا ہے۔ حضرت نانوتوی کے افادات اور وہ بھی بالکل پہلی بار سو سوا سو سال کے بعد منصۂ شہود پر آجانے سے اہل علم کے لئے جتنی خوشی ہو سکے گی تو کم ہو گی۔ قارئین بھی فاضل امروہوی مدظلہ کی عافیت اور ایسے علمی نوادرات کے لئے صحت و توفیق خداوندی کے لئے دعا فرمائیں۔ کسی فرصت میں فرائد قاسمیہ کا تفصیلی تعارف الحق میں کیا جائے گا۔ انشاءاللہ! سمیع الحق

مجاہدین افغانستان کے اتحاد کی اہمیت: نقش آغاز پر نظر ڈالی (افغان مجاہدین کے زعما کے نام) حضرت مولانا مدظلہ کا مکتوب اور پیغام پڑھ کر بہت ہی دل میں خوش ہوا۔ بڑے وقت پر اس اہم مسئلہ کی طرف توجہ مبذول فرمائی۔ ہم لوگ یہاں اس اختلاف کی خبریں پڑھ پڑھ کر پریشان ہو رہے تھے۔ لیکن کچھ کر نہیں سکتے تھے۔ اللہ تعالیٰ حضرت کی عمر و صحت میں برکت عطا فرمائے۔ میری طرف سے دست بوسی کیجئے اور ہم سب مسلمانوں کی طرف سے اس فرض کفایہ پر بہت شکریہ ادا کیجئے۔

(مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ، مدیر الحق کے نام مکتوب کا ایک اقتباس)

مجلہ الہلال: ایک وضاحت: الحق میں آپ نے الہلال کی بشارت دی۔ بہت خوب کیا۔ مگر ایک فنی غلطی ہوئی۔ کہ ۱۱۵۰ صفحات پر مشتمل جلد تو صرف ۱۹۱۳ء کی ہے۔ ۱۲-۱۹۱۴ء کو ملا کر کل دو ہزار چھ سو صفحات بنتے ہیں۔ آپ کے سامنے صرف ۱۳ء کی درمیانی جلد تھی جو ۱۱۵۰ صفحات پر مشتمل تھی۔ تصحیح فرما لیجئے۔

(مولانا عبدالرشید ارشد الہلال اکیڈمی ۳۲-اے شاہ عالم مارکیٹ لاہور

آغا خانی فرقہ: الحق میں فرقہ آغا خانیہ کے بارہ میں ایک مراسلہ پڑھا جس میں یہ تھا کہ مولانا تھانوی کے علاوہ کسی عالم نے اس کے خلاف قلم نہیں اٹھایا۔ حالاں کہ علماء اس کے خلاف جہاد کرتے رہے ہیں۔ جامع الازہر کے ایک سابق وائس چانسلر نے کافی تحقیق کی ہے۔ اور اس کو اسماعیلیہ کے ساتھ باطنیہ کا نام بھی دیا ہے۔ مولانا عبدالحی لکھنوی کا فتویٰ بھی موجود ہے۔ آپ ہی کی بابرکت کاوشوں کے نتیجے میں احقر نے بحمداللہ اس فرقہ کے متعلق ایک رسالہ حال ہی میں "اسمٰعیلی مذہب قرآن و حدیث کے آئینے میں" لکھ دیا ہے۔ جس پر حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کی تقریظ بھی ہے۔ اور اب شائع ہو چکی ہے۔ ہمارا علاقہ چترال و ہنزہ میں اس فرقہ کے بارہ میں ہم لوگ مصروف دعوت حق ہیں۔

(مولانا عبیداللہ چترالی فاضل دارالعلوم حقانیہ مدرس دارالعلوم سرحد پشاور

○ شیخ الحدیث کا صدارتی ایوارڈ — چند تہنیتی پیغامات کے اقتباسات

محترم حضرت مولانا صاحب زید مجدکم و نعالی۔
علم و حکمت کے میدانوں میں اعتراف عظمت اور فنون ادب کے لئے اعتراف رفعت کی موجودہ فضا و پیش رفت بہر لحاظ قابل قدر اور لائق تحسین ہے۔ مجھے یقین کامل ہے کہ وہ وقت زیادہ دور نہیں ہے کہ جب پاکستان میں علم کا دور دورہ ہوگا اور عالم عظمت و رفعت سے ہم کنار ہوں گے۔ در حقیقت یہی وہ فضا ہوگی اور یہی وہ وقت ہوگا کہ پاکستان علم و عالم کی محبت سے سرشار ہو کر صف اقوام عالم میں اپنا مقام بلند و رفیع پائے گا۔ اور خواب مقصدیت پاکستان شرمندۂ تعبیر ہوگا۔ حکومت وقت اس باب میں بے حد سنجیدہ ہے آپ کے اعزاز و اکرام پر میں آپ کو دلی مبارکباد دیتا ہوں۔ احترامات۔ حکیم محمد سعید چیئرمین ہمدرد ٹرسٹ پاکستان

○ براہ کرم میری جانب سے ۱۴ اگست کی اعزازی لسٹ میں آں جناب کو اعلیٰ کارکردگی پر ستارۂ امتیاز ملنے پر دلی مبارکباد قبول فرمائیں۔ ریئر ایڈمرل۔ ایم آئی ارشد چیئرمین کراچی پورٹ ٹرسٹ

○ دنیائے اسلام میں شیخ الحدیث کے جلیل القدر مرتبے پر آپ کی سرفرازی بذاتہ آپ کے دینی علم و دسترس کا بین ثبوت ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ آپ کی دینی خدمات نہ صرف اہالیان پاکستان بلکہ مسلمانان عالم کے لئے بھی گراں قدر اور اظہر من الشمس ہیں۔ اور حکومت کی طرف سے ستارۂ امتیاز کا عطا کیا جانا تو محض ایک معمولی اعتراف ہے جو کسی صورت بھی آپ کی لامحدود دینی خدمات کا نعم البدل نہیں ہو سکتا۔
دلی دعا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ آپ کو صحت و تندرستی کے ساتھ درازی عمر سے نوازے کہ ملت آپ کے دینی علم و دانش سے بہرہ ور ہوتی رہے۔ اور اس دور میں جب کہ اسلامی نظام حکومت کے نفاذ کا عمل شروع ہو چکا ہے مسلمانان پاکستان آپ کی دینی بصیرت سے روشنی حاصل کر سکیں۔ نیاز مند اے ایس نوی والا کراچی ۱۲

○ ۱۴ اگست کے جنگ کراچی میں تفصیل پڑھی ہم سب پاکستانی بے حد خوش ہوئے۔ حافظ شریف اللہ الامام سعودی عرب

○ آپ کی ذات ان دنیاوی نمود کی چیزوں سے بالاتر ہے تاہم خوشی اس کی ہے کہ آپ کے ذریعے جو خدمت دین ہو رہی ہے اس کا اعتراف کرنے والے موجود ہیں۔ عبدالحمید خان۔ کراچی

○ حضرت کی ذات ستودہ صفات ایسے اعزازات سے چنداں ارفع ہے۔ در حقیقت یہ اعزاز دنیا اس اعزاز کے لئے اعزاز ہے۔ محمد فضل اللہ جان حقانی۔ لاہور

○ دلی مبارکباد۔ اللہ تعالیٰ حضرت کی عمر بوائے اسلامیان پاکستان و علماء دین دراز فرمائے۔ عبدالباقی کالش ہزارہ

○ دینی علوم کی ترویج اور دینی امور میں رہنمائی کے لئے جس طرح زندگی وقف کر رکھی ہے ہر خاص و عام پر روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کوئی دنیوی اعزاز یا انعام آپ کی خدمات کا صحیح بدل ہو ہی نہیں سکتا۔ البتہ اس کا صحیح اجر تو اللہ تعالیٰ ہی عطا کرے گا۔ محمد رفیع الدین جنرل منیجر آدم جی پیپر بورڈ ملز نوشہرہ

- اس اعزاز پر دلی مبارکباد اور دعائے درازیٔ عمر آپ کا چشمۂ فیض جاری رہے۔ محمد نواز نور منزل گجرات
- اللہ تعالیٰ آپ کو صحت عمر درازی کے ساتھ مزید اعزازات سے نوازے۔ لفٹیننٹ کرنل ضیاء الحق پشاور
- صرف رسمی نہیں بلکہ دلی جذبات کی صحیح عکاسی کرنے والی مبارکباد۔ بریگیڈیئر (ریٹائرڈ) راجہ خورشید احمد تلہ گنگ وال
- آپ کی دینی خدمات کا صلہ دنیا میں پورا ہونا محال ہے۔ بہرحال اس قدرشناسی پر حکومت تحسین کی مستحق ہے
  محمد ظاہر شاہ بھٹہ ویلج کراچی
- حضرت کا رتبہ اہل بصیرت کی نظر میں اس سے بڑھ کر ہے لیکن ایک عرصہ سے حکومت کو علماء کے دینی و علمی اور قومی خدمات کے اعتراف پر ہمیں از حد خوشی حاصل ہوئی ہے۔ نصیب علی شاہ فاضل حقانیہ و جمیع فضلاء حقانیہ و مدرسین۔ جامعۃ العلوم الاسلامیہ زرگری کوہاٹ۔
- آں جناب کی دینی خدمات قابل قدر ہیں۔ دلی مبارکباد پیش ہے۔ اے کے رئیس بینجنگ ڈائرکٹر کولمبس ٹریولز کراچی
- اخبار میں پڑھا بے حد خوشی ہوئی سب احباب مبارکباد کہتے ہیں۔ حکیم پیر محمد مروت بنوں
- ستارۂ امتیاز کو مبارک ہو کہ وہ ایسی مقدس جگہ پہنچا۔ آپ کا اداریہ اس موضوع پر ماشاء اللہ خوب ہے جزاک اللہ۔ (جسٹس مولانا) محمد تقی عثمانی۔ کراچی
- ڈاکٹریٹ کی ڈگری کے بعد یہ دوسرا موقع ہے کہ حضرت کی علمی کاوشوں و خدمات کا اعتراف کیا گیا ہے اللھم زد فزد۔ محمد زین العابدین شور
- اللہ تعالیٰ حضرت کی عمر دراز کرے اور مزید خدمت دین لے۔ طلعت محمود راولپنڈی

- مکرمی و محترمی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

یہ امر باعث مسرت ہے کہ حکومت پاکستان نے آپ کی دینی خدمات کے اعتراف کے طور پر آپ کو "ستارۂ امتیاز" کا ایوارڈ دیا ہے۔ میں اس موقع پر آپ کو مبارکباد پیش کرتا ہوں اور امید رکھتا ہوں کہ ملک میں اسلامی نظام کے نفاذ کے سلسلے میں آپ اپنی پرخلوص کوششیں جاری رکھیں گے۔

والسلام
آپ کا خیر اندیش و مخلص
محمد عباس عباسی
وفاقی وزیر مذہبی امور
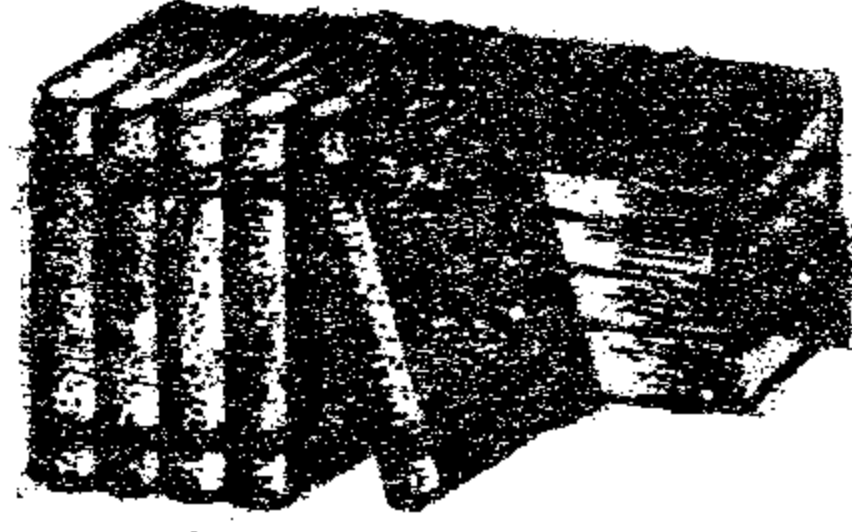
تعارف وتبصرہ کتب

○ تبصرہ نگار۔ ڈاکٹر ابو سلیمان شاہ جہانپوری

○ " س

تذکرہ علمائے پنجاب۔ دو جلدیں | مصنف اختر راہی صاحب۔ ناشر:۔ مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار۔ لاہور

صفحات ۸۶۰۔ قیمت درج نہیں۔

تحقیق وتصنیف کا ذوق رکھنے والے جن نوجوانوں پر نظر ٹھہرتی ہے اور جن سے علمی دنیا کے مستقبل کی توقعات وابستہ نظر آتی ہیں ان میں پروفیسر اختر راہی بھی ہیں۔ ان کی علمی وتصنیفی زندگی کے سال ابھی اکائیوں ہی میں گنے جاسکتے ہیں۔ لیکن ان کی تحقیقات ایک علمی دائرے میں قدر کی نگاہوں سے دیکھی جاتی ہیں۔ وہ اپنے دینی علمی ذوق کے راستے آہستہ آہستہ علمی ادبی دنیا میں آرہے ہیں۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ان کے مزاج میں ٹھہراؤ۔ طبیعت میں استقامت، مطالعہ پر اعتماد اور تحریر وبیان کا سلیقہ ہے۔ ان کی ایک تصنیف "تذکرہ مصنفین درس نظامی کے عنوان سے تھی۔ اس کا پہلا ایڈیشن بھی خوب تھا لیکن دوسرے ایڈیشن نے ان کے ذوق علم وتحقیق اور سلیقہ تالیف وتدوین کا نقش دل پر ثبت کر دیا۔ اس دوران میں اگرچہ ان کی ایک تالیف " اقبال۔ سید سلیمان ندوی کی نظر میں " بھی آئی۔ لیکن ان کا معرکہ آرا کام " تذکرہ علمائے پنجاب ہے۔ ان کے اس قابل قدر کام نے ان کے علمی مستقبل کا فیصلہ کر دیا۔

زیر نظر مجموعہ تیرھویں اور چودھویں صدی ہجری کے علماء کے تراجم اور علمی خدمات کا احاطہ کرتا ہے پنجاب سے مراد وہی خطۂ زمین ہے جو پچھلی دو صدیوں سے پنجاب کے نام سے معروف رہا ہے۔ اور علمائے پنجاب سے مراد وہ تمام علماء ہیں جن کے آباؤ اجداد کئی نسلوں اور پشتوں سے پنجاب میں آباد چلے آرہے تھے۔ ایسے حضرات بھی ہیں جو ملک کے کسی اور خطے، صوبے سے یہاں آکر آباد ہوگئے۔ جو پنجاب سے صرف نسل ووطن کا یا صرف تاریخ کا تعلق رکھتے تھے۔ چنانچہ مودودی صاحب۔ احسان اللہ خاں۔ تاجور نجیب آبادی اور مولانا عبید اللہ سندھی کے ناموں کی شمولیت اسی اصول پر کی گئی ہے۔ فاضل مؤلف ایک خاص مکتبہ فکر سے تعلق رکھتے ہیں۔ لیکن انہوں نے بلا امتیاز مسالک اہلحدیث، دیو بندی، بریلوی۔ شیعہ علماء کے حالات کا احاطہ اور خصائص علم وذوق کا تذکرہ کیا ہے۔

ایک ایسا کام جو بہت وسائل کے ساتھ ایک علمی ادارے کو انجام دینا چاہئے تھا ایک صاحب ذوق نے اپنے محدود وسائل اور ذاتی شوق کی بنا پر پایۂ تکمیل کو پہنچایا۔ اس میں بعض علمائے دین خصوصاً

بعض معروف اہلحدیث علمائے دین کا نظر انداز ہو جاتا ہے یا بعض غیر علمار کا اس میں شامل ہو جانا جو اپنے نام کے ساتھ مولوی یا مولانا کا سابقہ رکھتے تھے کوئی تعجب انگیز اور حیران کن بات نہیں۔ کئی خامیوں کے باوجود مؤلف کی یہ علمی کاوش نہایت قابل قدر اور لائق تحسین ہے۔ اور اب تک علمائے پنجاب پر جو مختلف دائروں میں کام ہوئے ہیں۔ ان میں جامع تر یہی ہے۔ بعض اہل تشیع علمار کے حالات پڑھنے کے بعد ہی اس کے شیعہ ہونے کا پتہ چل جاتا ہے۔

مناسب تھا کہ عنوان ہی میں یہ چیز واضح کر دی جاتی تاکہ التباس نہ رہتا۔ یہ تذکرہ علمی حلقوں میں مقبول ہوگا۔ اور ناشر کو جلد ہی اس کی دوسری اشاعت کا سرو سامان کرنا پڑے گا۔ مجھے امید ہے کہ پروفیسر اختر راہی اس وقت اسے جامع ترین اور علم و تحقیق کا معیار بنا دینے میں اپنی پوری پوری کوشش صرف کر دیں گے۔

کاغذ عام۔ کتابت طباعت اچھی اور جلدیں خوبصورت ہیں۔ امید ہے کہ اس کی قیمت بھی مناسب ہوگی۔

ڈاکٹر ابو سلیمان شاہجہانپوری

<u>شرح قصیدہ بانت سعاد</u> | کعب بن زہیرؓ کے مشہور نعتیہ عربی قصیدے کی تحقیقی اردو شرح علامہ فضل احمد عارف ایم اے کے قلم سے نہ صرف صاحب قصیدہ بلکہ قصیدہ کے شان نزول، مضامین خصوصیات پھر قصیدہ کے شارحین، مترجمین، تخامیس، تشطیرات معارضات پر سیر حاصل روشنی ڈالی گئی۔ یورپ میں دیوان کی اشاعت کی سرگذشت پر تحقیقی مباحث شامل ہیں۔ صفحات ۱۹۱۔ قیمت ۱۶ روپے۔ ناشر ایچ ایم سعید کمپنی ادب منزل پاکستان چوک کراچی۔ نعت گوئی ادب عربی فن معانی و بیان و بدیع سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے خاص طور پر معلوماتی چیز ہے۔

<u>مکاشفۃ القلوب</u> | حجۃ الاسلام امام غزالی کی مشہور اصلاحی و سلوکی کتاب کا سلیس عام فہم اردو ترجمہ جناب مولانا قاری عطار اللہ صاحب کے قلم سے جسے مکتبۂ اسلامیات کوچہ بوٹے شاہ چوک وزیر خان اندرون دہلی دروازہ لاہور نے بڑے آب و تاب اور اہتمام سے شائع کیا ہے۔

سات سو اٹھائیس صفحات پر مشتمل یہ ترجمہ معارف، تصوف، نفسانی امراض اور اس کے علاج کے لئے اہم اور معرکتہ الآرا مباحث پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کے ذریعہ اب وہ تشنگان معرفت بھی غزالی کے چشمہ صافی سے استفادہ کر سکتے ہیں جن کی رسائی امام موصوف کے عربی و فارسی تصانیف تک نہیں ہو سکتی تھی

(س)

قیمت ۴۸ روپے۔

<u>خیر البراهین فی غیر المقلدین</u> غیر مقلدین اور عدم تقلید پر حضرت مولانا خیر محمد جالندھری مرحوم ملتان کا ایک علمی و تحقیقی رسالہ۔ صفحات ۷۲ قیمت پانچ روپے پچاس پیسے۔ ناشر۔ مکتبہ خیر المدارس ملتان

جناب ڈاکٹر حمید اللہ صاحب پیرس

فرانس سے ایک قابل قدر علمی مکتوب

مخدوم و مکرم۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

آپ اپنے مؤقر رسالہ الحق کے ارسال سے اس ناچیز کو سرفراز فرماتے رہتے ہیں۔ آج رمضان المبارک ۱۴۰۱ھ کا شمارہ پہنچا۔ استفادہ کیا۔ چند باتوں پر مودبانہ توجہ منعطف کراؤں گا۔

ص۶ پر امام بخاری اور صحیح بخاری کے فاضلانہ مضمون میں مدون مقالہ نے "حضرت ابو طالب" کا محاورہ استعمال کیا ہے۔ صحیح بخاری میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے صراحت ہے کہ ابو طالب کا مقام جہنم ہے اگرچہ خفیف ترین عذاب ہوگا۔ یعنی قدموں تلے آگ ہوگی۔ لیکن یہ اس بات کے لئے کافی ہوگی کہ سر کا بھیجا پگھل کر کھولتا رہے۔ ان حالات میں "حضرت" کا لفظ نامناسب معلوم ہوتا ہے۔

رجم پر جو فاضلانہ مقالہ ہے اس میں ص ۲۶ تا ۲۷ پر اس سے بحث ہے کہ رجم کا ذکر کیوں قرآن مجید میں نہیں ہے ایک پہلو یہ میرے ناچیز ذہن میں آتا ہے کہ " ..... اولئک الذین ھدی اللہ فبھداھم اقتدہ" (سورہ انعام ۶/۸۳-۹۰) ختم المرسلین کو حکم دیا گیا ہے انبیاء سلف کی سنت پر بدستور عمل پیرا ہیں۔ (بجز ان احکام کے جو قرآن نے منسوخ کئے ہوں) صحیح بخاری میں صراحت ہے کہ توریت میں زنا محصنہ کی سزا رجم ہے۔ رسول اکرم نے اس پر عمل بھی کرایا۔ توریت ہی میں زنا غیر محصنہ کی سزا رقمی جرمانہ ہے۔ اس کو سورۂ نور میں منسوخ کر کے سو کوڑوں کی جسمانی سزا مقرر کی گئی۔ لہٰذا زنا محصنہ کا موسویؑ و عیسویؑ قانون منسوخ نہ ہوا اور سورہ انعام میں صراحت ہوئی کہ اس پر بدستور عمل کیا جائے۔

اسی مضمون میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا "آیت رجم" کے متعلق بیان بھی زیر بحث رہا ہے۔ جہاں تک میں نے تحقیق کی۔ کسی روایت میں حضرت عمرؓ نے یہ نہیں فرمایا کہ "الرجم فی القرآن" بلکہ "فی کتاب اللہ" جس کا اطلاق توریت اور انجیل پر بھی اسی طرح ہو سکے گا جس طرح قرآن مجید پر۔ اور واقعۃً رجم کا حکم موجود و متداول توریت اور انجیل دونوں میں موجود ہے (اور عہد نبوی کی توریت میں بھی ہونا صحیح بخاری و صحیح مسلم سے ثابت ہے)

اگر علماء کرام ان حقیر سوالات پر روشنی ڈالیں تو طلبہ علم فائدہ اٹھائیں۔ الحق کے اسی شمارے میں ص ۴۳ پر فرعون کی لاش پر صدق جدید لکھنؤ کا ایک نوٹ نقل ہے (صدق جدید کی تاریخ درج نہیں) اس سلسلے میں دو باتیں عرض کرنی ہیں

۱۔ رسالہ ثاران کراچی بابت مئی ۱۹۷۷ء میں اس موضوع پر "ڈوب مرے فرعون کا نام" کے عنوان سے بحث ہوئی ہے ـــــــ

۲۔ ڈاکٹر مدریس بوکائی (آپ کے ہاں ہو کیلی چھپ ہے) کی کتاب میں فرعون کی لاش کا تو ذکر ہے۔ لیکن ان کو اصرار ہے کہ حضرت موسیٰ مدین میں طویل عرصہ (تقریباً پچاس) سال مقیم رہے۔ (قرآن میں آٹھ، زیادہ سے زیادہ دس سال کا ذکر ہے) یہ کہ اس اثنا میں یہودی نوزائیدہ بچوں کو قتل کرنے والا فرعون مر گیا۔ اور اس کا بیٹا جانشین ہوا۔ اس پراسی سال کی عمر میں حضرت موسیٰ مصر واپس آئے اور نیا حکمران ڈوب مرا۔ لیکن اس میں دشواری یہ ہے کہ اسی جدید حکمران منفتاح کا ایک کتبہ ملا ہے کہ "میں نے بنی اسرائیل کو اس طرح نابود کیا ہے کہ اس نسل کا دنیا سے خاتمہ ہو گیا ہے"۔ یہ واقعہ اگر خروج سے قبل پیش آیا تو حضرت موسیٰ کے ہمراہ جو چھ لاکھ سے زائد یہودی نکلے وہ کہاں سے آ گئے؟ اگر خروج کے بعد حملہ ہوا تو سزا دہی کے لئے تو تورات اس سے کیوں ساکت ہے اور اپنی انگشت بدنداں میں اس کا اضافہ کیوں نہیں کرتی؟ یوں بھی مدریس بوکائی حجیت حدیث سے انکار کرتے ہیں۔ (ناچیز محمد حمید اللہ)

(الحق) ۱۔ ریاست و شرافت دنیوی کے اعتبار سے حضرت ابو طالب کا استعمال غیر مناسب اور قابل مواخذہ نہیں۔ معززین مکہ اور رؤسائے قوم میں ان کا شمار کسی سے مخفی نہیں (۲) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قوی رشتہ اور بنو ہاشم و بنو کنانہ قریش جن کی شرف و بزرگی خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہے اس بنا پر حضرت ابو طالب کہنا کوئی جرم نہیں۔ (۳) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت و خدمت آٹھ سال سے لے کر سلسلہ نبوۃ تک یہ ایک مستقل منقبت ہے

(۴) مشرکین مکہ اور رؤسائے قریش کی مسلسل تحریص و ترغیب کے باوجود آپ حضور کی حمایت سے دستبردار نہیں ہوئے

(۵) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں قصائد مدحیہ مثلاً

وابیض یستسقی الغمام بوجھہ ثمال الیتامیٰ عصمۃ للارامل

(۶) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت میں یہاں تک فرمایا کہ

واللہ لن یصلوا الیک بجمعھم حتیٰ اوسّد فی التراب دفینا

(۷) جب قوم نے ان کا بائیکاٹ کیا اور شعب ابی طالب میں ان کی ناکہ بندی کی تو ابو طالب برابر ان تکالیف جھیلنے میں ان کے شریک رہے۔

علاوہ ازیں لفظ حضرت کا استعمال ایک عرفی اور زبانی اعزاز ہے۔ اگرچہ ارشاد خداوندی ہے۔ وما تنفعھم شفاعۃ الشافعین۔ مگر اس نص صریح کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی شفاعت فرمائیں گے۔ اس شفاعت کی تخصیص ایک گرامی قدر اعزاز ہے۔

ب۔ لفظ کتاب اللہ کا متبادر معنی قرآن کریم ہے۔ ذالک الکتاب۔ کتاب انزلناہ۔ مطلق کتاب منزل کہ تورات و انجیل کو شامل ہو۔ یہ معنی غیر متبادر ہے۔ نیز حدیث حضرت ابن عباس بخاری جلد ۱ ص ۱۰۰ میں واضح ہے کہ مراد کتاب اللہ قرآن مجید ہے۔

ان اللہ بعث محمدًا بالحق وانزل علیہ الکتاب فکان مما انزل اللہ آیۃ

الرّجم فقرأناها وعقلناها ووعيناها رجم رسول الله صلى الله عليه وسلم ورجمنا بعده فاخشى ان طال بالنّاس زمان ان يقول قائل والله ما نجد اية الرّجم فى كتاب الله فيضلوا بترك فريضة انزلها الله. قال العينى اية الرجم الشيخ والشيخة اذا زنيا فارجموها. وفيه انه كان قرانا نسخت تلاوته دون حكمه. وقال تحت قوله الرّجم فى كتاب الله حق. الى فى قوله تعالى او يجعل الله لهنّ سبيلا. الاية

بيّن النبى صلى الله عليه وسلم ان المراد رجم الشيب وجلد البكر.

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

خذوا عنى خذوا عنى فقد جعل الله لهن سبيلا البكر بالبكر جلد مأة ونفى سنة والشيب بالشيب جلد مأة والرجم

اس آیت سے استنباط رجم فہمد اہم آئندہ اگرچہ عموم الفاظ کے مناسب ہے۔ لیکن کسی مفسّر سے منقول نہیں۔

ہاں آیت مذکورۃ الذیل سے حکم مذکور ثابت ہے۔ فان ما قص الله تعالى ورسوله من شرع الامم السابقة من غير نكير شرع لنا۔

وهى قوله تعالى. وكيف يحكمونك وعندهم التوراة فيها حكم الله ثم يتولون من بعد ذالك وما اولئك بالمومنين ٥

۳۔ فرعون کی لاش کے بارہ میں پھر اظہار خیال کیا جائے گا۔ اہل علم کو بھی خامہ فرسائی کی دعوت جاتی ہے۔

(مولانا) عبدالحلیم مردانی استاذ اعلیٰ دارالعلوم حقانیہ

بقیہ از صفحہ ۴۷۔ حافظ شیرازی

اس محبت کے لئے اخلاص بھی لازم ہے۔ کیونکہ اس میں خود کامی وخود غرضی نہیں ہوتی اور اخلاص ثمرات اور برکات ہیں۔

حدیث بتاتی ہے کہ بعض صحابہؓ حضورؐ کے فضائل وشمائل وخصائل کے بہت وصّاف وناعت رہے ہیں۔ ناظم علیہ الرحمۃ بھی اسی جذبہ کے تحت ثناخواں ہیں۔ اور دعا کرتے ہیں کہ حضورؐ کا لطف عام اس دوری ومہجوری کو قرب سے بدل دے۔

دوسرے مصرع میں "مرا شفا بخش باد" نہیں کہا بلکہ تعمیم کے ساتھ "ثناخوان تو" کہہ دیا کیونکہ وہ لطف لطف عام ہے جس سے دوسرے ثناخواں بھی شادکام ہوں۔ اور یہاں ایک "کلیہ" کی طرف اشارہ بھی کر دیا کہ جو مخلص ثناخواں ہے وہ الطاف نبویہ سے بہرہ ور ہے۔ والحمدللہ ثم الحمدللہ علی ما اعطانا من النعم والحکم

دارالعلوم کے شب و روز

شفیق فاروقی

اساتذہ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کی آمد | ۲۴ شوال ۱۴۰۱ھ/۲۴ اگست ۱۹۸۱ء جامعہ اسلامیہ مدینہ طیبہ کے ممتاز اساتذہ و مشائخ کا ایک معزز وفد دارالعلوم میں تشریف فرما ہوا۔ یہ وفد افغان مہاجرین کے کیمپوں میں دینی تعلیم و تربیت کے لئے علماء کی ٹریننگ اور تقرری کے سلسلہ میں پشاور تشریف لایا تھا۔ معزز اور قابل احترام مہمانوں کا یہ وفد نماز مغرب سے قبل دارالعلوم پہنچا۔ حضرت شیخ الحدیث مدظلہ اور دیگر اساتذہ و طلبہ نے مسجد میں ان کا خیر مقدم کیا۔ نماز مغرب وفد کے ایک ممتاز رکن شیخ صالح بن سعد السحیمی نے پڑھائی اس کے بعد دفتر اہتمام میں حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کے ساتھ نشست ہوئی علماء نے ازراہ علم پروری اور سعادت علمی کے حصول کے جذبے سے آتے ہی یہ اصرار شروع کر دیا تھا کہ حضرت شیخ الحدیث ہمیں احادیث کی تمام کتابوں کی اجازت عطا کریں۔ حضرت ازراہ تواضع بے حد انکار کرتے رہے۔ مگر بالآخر مہمانوں کے اصرار پر حضرت مدظلہ نے ان تمام مشائخ کو اجازت مسندۃ فی الاحادیث سے نوازا۔ مہمانوں کی خواہش تھی کہ اس طرح ہمیں مشائخ کبار پاک و ہند اور علماء دیوبند سے نسبت تلمذ قائم ہو جائے۔ بعد میں مہمانوں کی خواہش پر یہ مشافہاتی سند حدیث اور اجازت تحریری طور پر لکھ کر ہر ایک مہمان کو الگ الگ دیا گیا۔ نماز عشاء سے قبل مولانا سمیع الحق نے اپنے مکان میں وفد کو عشائیہ دیا۔ نماز عشاء کے بعد مسجد دارالعلوم کے وسیع صحن اور نورانی ماحول میں ان علماء کا عالمانہ خطاب ہوا۔ خطاب سے قبل دارالعلوم کے قدیم فاضل و مدرس مولانا شیر علی شاہ (حال جامعہ اسلامیہ مدینہ طیبہ) نے عربی میں ایک وقیع اور پر از معلومات سپاسنامہ پیش کیا جس میں دارالعلوم کے مختلف گوشوں پر سیر حاصل روشنی ڈالی گئی تھی اور علماء دیوبند کی علمی و دینی خدمات کا ذکر تھا۔ ڈکٹور ربیع ہادی استاذ الحدیث جامعہ اسلامیہ مدینہ اور شیخ صالح سحیمی استاذ العقیدۃ جامعہ اسلامیہ مدینہ نے علمی فوائد پر مشتمل تقریریں کیں۔ ان تقاریر میں رد بدعات، اتباع سلف، تمسک بالسنۃ پر روشنی پڑتی تھی۔ اور یہ تقریریں ایک گونہ علماء دیوبند اور علماء نجد کے درمیان باہمی افہام و تفہیم کی آئینہ دار تھیں۔ اور بعض ایسے شکوک و خدشات کا ازالہ بھی مقرین کرنا چاہتے تھے جو معاندین نے

پھیلا رکھی ہیں۔ دارالعلوم میں کل افتتاح علمی ہونے والا تھا۔ یہ ایک غیر رسمی افتتاحی تقریب بن گئی جو طلبہ کے لئے ایک نیا تجربہ اور ذوق شوق علمی کا ذریعہ بن گئی۔ تقریب میں حضرت شیخ الحدیث اور دیگر اساتذہ آخر تک موجود رہے۔ رات گیارہ بجے یہ مجلس ختم ہوئی۔ معزز مہمانوں نے دارالعلوم کے مختلف گوشوں، شعبوں، طلبہ کے جم غفیر دینی تصلب و حمیت بالخصوص جہاد افغانستان میں دارالعلوم کے کردار پر اپنی گہری محبت اور حیرت کا اظہار کیا۔ اور کہا کہ اتنے عظیم ادارہ کو دیکھ کر ہم حیرت و مسرت کے ملے جلے جذبات لے کر جا رہے ہیں۔ وفد کے ارکان نے دارالعلوم کی کتاب الآراء میں اپنے تاثرات بھی قلم بند فرمائے۔ اس جماعت میں جو حضرات شریک تھے ان کے اسماء گرامی یہ ہیں:۔

۱۔ الشیخ الدکتور ربیع ہادی استاذ الحدیث جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ۔ ۲۔ الشیخ صالح السحیمی استاذ العقیدۃ ۳۔ الشیخ محمد محمد الشریف استاذ الحدیث۔ ۴۔ الشیخ احمد علی طہ ریان استاذ الفقہ۔ ۵۔ الشیخ الدکتور بالکمر البدری دبشین استاذ اللغۃ العربیۃ۔ ۶۔ الشیخ محمد نور الخلیفہ مدرس بمعہد الجامعۃ الاسلامیہ۔ ۷۔ الشیخ محمد سعد السحیمی۔

ملک عبدالعزیز یونیورسٹی جدہ کے طلبہ کی آمد ۲۔ ذیقعدہ ۱۴۰۱ھ مطابق یکم ستمبر ملک عبدالعزیز یونیورسٹی جدہ سعودی عرب کے تقریباً پچاس طلبہ پر مشتمل وفد دارالعلوم کے معائنہ کے لئے آیا۔ یہ گروپ کئی اسلامی ممالک کے مطالعاتی دورہ کے اختتام پر پاکستان آیا تھا اور اس میں عموماً سعودی عرب کے ممتاز خاندانوں کے چشم و چراغ شامل تھے۔ مولانا سمیع الحق صاحب نے دارالعلوم پہنچنے پر ان کا خیر مقدم کیا۔ دارالحدیث میں طلبہ و اساتذہ کی ترحیبی تقریب میں مولانا شیر علی صاحب نے مؤثر اور پر جوش خطاب فرمایا۔ اور مہمان طلبہ نے ہمارے ہاں کے درس و تدریس کے قدیم نظام مقاصد اور جذبات دینی کا ذکر کیا۔ اور یہ کہ یہ لوگ کس خلوص سے تحصیل علم کے بعد دین کے عظیم کاموں میں مصروف رہتے ہیں۔

جواب میں وفد کے قائد جناب مجید حریری مکی نے موثر تقریر کی۔ اس کے بعد دارالعلوم کے وسیع کتب خانہ کے ہال میں مہمانوں کی چائے سے تواضع کی گئی۔ اس دوران بھی معلومات کا تبادلہ جاری رہا۔ مہمانوں نے الشیخ محمود الحصری مرحوم کی مسجل قرآن مجید کا ایک سیٹ اور دیگر قابل قدر ہدایا پیش کئے۔ اتنے سارے علماء و طلباء کے متشرع شکل و صورت، علمی انہماک اور اسلامی علوم و فنون کے مکمل نظام درس، یہ سب چیزیں ان حضرات کے لئے تعجب و حیرت کا باعث تھیں۔ جاتے وقت معزز مہمان طلبہ نے از خود تقریباً بیس ہزار روپے کی رقم اکٹھی کر کے دارالعلوم کو پیش کی۔ جسے دارالعلوم نے ان کی بے حد خواہش اور اصرار پر قبول کی۔ ایسے معزز مہمان طلبہ کے حالت سفر میں یہ عطیہ قبول کرنے سے مولانا سمیع الحق بے حد انکار کرتے رہے مگر بعد میں ان کی دل شکنی کے احتمال سے یہ مبارک عطیہ دارالعلوم کے لئے باعث خیر و برکت سمجھ کر قبول کر لیا۔ اور طلبہ کی جماعت نے

نماز عصر دارالعلوم کی مسجد میں پڑھی۔ اور بعد از عصر عازم اسلام آباد ہو گئے۔

افتتاح تعلیمی سال | ۲۲ر شوال مطابق ۲۴ ر اگست دارالحدیث میں نئے تعلیمی سال کا افتتاح ختم کلام پاک کے بعد حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کے درس ترمذی شریف کے آغاز سے ہوا۔ ہال طلبہ و اساتذہ سے کھچا کھچ بھرا تھا۔ حضرت مدظلہ نے ایک گھنٹہ تک علم و عمل کی فضیلت اور طلبہ کو ہدایات و نصائح پر مشتمل خطاب کیا۔

صدارتی ایوارڈ | ۱۴ر اگست کو ریڈیو۔ ٹی۔ وی اور اخبارات کے ذریعہ اطلاع ہوئی۔ کہ صدر پاکستان کی طرف سے دینی و تعلیمی خدمات کے اعتراف کے طور پر حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ مہتمم دارالعلوم حقانیہ کو سول اعزاز (ستارۂ امتیاز) دیا گیا۔ یہ ایک گونہ دارالعلوم کی خدمات کا بھی اعتراف ہے۔ اس لئے پورے حلقہ دارالعلوم میں اس پر اظہار مسرت کیا گیا۔ جن حضرات نے مبارک باد کے خطوط بھیجے۔ الحق کے ذریعہ دارالعلوم ان کا شکر گذار ہے۔

افغان مجاہدین و احزاب کے زعما کی آمد | افغان مجاہدین کی اکثر جماعتوں کا دارالعلوم اور حضرت شیخ الحدیث سے تلمذ و عقیدت کا رشتہ ہے۔ اس لحاظ سے برسر پیکار مجاہدین صف اول کے قائدین اکثر و بیشتر حضرت مدظلہ کی خدمت میں آتے رہتے ہیں۔ ان ایام میں حرکت انقلاب اسلامی کے زعماء مولانا محمود شاہ معاون عمومی۔ مولانا مومن شاہ حقانی۔ مولانا محمد عیسیٰ حقانی۔ مولانا حبیب اللہ حقانی۔ مولانا میراجان حقانی حزب اسلامی خالص گروپ کے مولانا محمد یونس خالص حقانی اور جمعیۃ اسلامی کے پروفیسر برہان الدین ربانی اور حرکت انقلاب اسلامی کے منصور گروپ کے مولانا نصر اللہ منصور اور دیگر حضرات تشریف لاتے۔ اور حضرت کے ساتھ ملاقات اور تبادلہ خیال کیا۔ حضرت مدظلہ العالی نے ان وفود سے بات چیت کے دوران فرمایا کہ ہمارے علماء۔ فضلاء۔ طلباء قرآن شریف پڑھنے پڑھانے دین کی خدمت میں تو مصروف رہے مگر یہ خواب و خیال بھی نہ تھا کہ اس ناچیز کو اللہ تعالیٰ ان حضرات کو سٹینگنوں۔ مارٹروں اور مشین گنوں سے لیس اور آراستہ و پیراستہ بھی دکھائے گا۔ اور یہ کہ وہ روس کے سطوت و ہیبت کو خاک میں ملا دیں گے۔ جو انیاب الاغوال کی طرح اذہان پر چھایا ہوا تھا۔ حضرت نے فرمایا کہ کاش میری صحت اجازت دیتی اور میں بھی ان محاذوں میں جا کر شریک جہاد رہتا۔ ان حضرات نے دفتر الحق میں جناب مدیر کو مجاہدین کی ایمانی غیرت و حمیت و نصرت خداوندی کے عجیب و غریب واقعات سنائے۔

واردین و صادرین | دارالعلوم میں ہر وقت مشاہیر علم اور زعماء ملک و ملت کی آمد جاری رہتی ہے۔ ان ایام میں بھی حضرت شیخ الحدیث کی زیارت کے لئے آنے والے چند ایک حضرات کے اسماء یہ ہیں۔

۲۱ر شوال کو حضرت مولانا عبید اللہ درخواستی مدظلہ امیر نظام العلماء۔ مختصر قیام اور طلبہ سے خطاب فرمایا۔

۲۲ر شوال کو جناب ارباب سکندر خان سابق گورنر سرحد معہ رفقاء تشریف لائے۔ نماز جمعہ حضرت شیخ الحدیث

کے ساتھ حضرت کی مسجد میں مولانا سمیع الحق کی اقتداء میں پڑھی اور حضرت کی عیادت کی۔ ان کے علاوہ سرحد کے وزیر اوقاف مولانا عبدالباقی صاحب۔ مولانا قاضی زاہد الحسینی صاحب اٹک۔ مولانا محمد اشرف صاحب پشاور یونیورسٹی۔ جناب محترم محمد اجمل خاں لغاری اجمل باغ۔ جناب قاضی عزیز الرحمٰن صاحب ریاست سوات وغیرہ بھی رونق دارالعلوم بنے۔

متفرقات | ۱۷ ذیقعدہ کو حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے علامہ قاضی زاہد الحسینی کی دعوت پر ان کے مدرسہ جامعہ مدنیہ اٹک کی افتتاحی تقریب میں شرکت کی اور درس بخاری سے افتتاح فرمایا۔

★ ۲۶ شوال کو جامعۃ العلوم الاسلامیہ ویسٹریج راولپنڈی کی افتتاحی تقریب میں مدرسہ کے مہتمم مولانا محمد اسحاق صاحب کی دعوت پر مولانا سمیع الحق صاحب نے شمولیت فرمائی۔ اور علم دین کی اہمیت پر خطاب کیا۔

★ ۴ ستمبر مطابق ۴ ذیقعدہ دارالعلوم کے ایک نوجوان استاذ مولانا محمد ابراہیم صاحب فرزند مولانا عبدالحلیم صاحب مدظلہ زروبی کی شادی کی تقریب ہوئی۔ جس میں دارالعلوم سے کئی اساتذہ و طلبہ نے شرکت کی۔ رائے ونڈ میں تبلیغی جماعت کے عظیم سالانہ تبلیغی اجتماع منعقدہ ۸ تا ۱۰ ستمبر میں اس دفعہ دارالعلوم کے کئی اساتذہ اور جناب مدیر الحق کے علاوہ طلبہ نے بھی بھاری تعداد میں شمولیت کی۔

VALIKA
ولیکا
پاکستان کے صنعتی نقشہ میں
اُبھرنے والا سب سے پہلا نام
پاکستان کے صنعتی میدان میں سب سے
پہلے پروجیکٹ کی بنیاد رکھنے کا اعزاز ولیکا کو
حاصل ہے۔ ملک میں عظیم صنعتوں کے
قیام کے لئے ولیکا کی نمایاں کاوشیں،
قومی معیشت کی ترقی سے وابستہ اداروں کے لئے ہمیشہ
تقویت کا باعث رہی ہیں —
ولیکا وولن ملز
کمپنی لمیٹڈ
ORIENT